الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

۱۵

لاتہنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن الحکیم)

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱ — کلکتہ: جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۳۴۵ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, June 10. 1927.

فہرس

افتتاحیہ ۲

مطبوعات جدیدہ

نفحات شام کی سریانی تاریخ ۳

مذاکرۂ علمیہ

ذرۂ آب کی سرگذشت ۵

برید فرنگ

جرمنی میں جمہوریۃ اور شاہیۃ کی کشمکش ۸

حسن و عشق اور تاج و تخت ۱۰

آثار عتیقہ

اندلس میں اسلامی تمدن کا آخری نقش قدم ۱۴

عالم شرق و اسلام

شام کی جنگ استقلال ۱۶

مقالات

اسلام اور نیشنلزم ۱۷

بصائر و حکم

مدبر اور مومن کا ایک دلچسپ مکالمہ ۲۰

تقویم و ترویج فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے ۲۳

برید شرق

مکتوب انگورہ ۲۴

مکتوب مصر ۲۵

مکتوب فلسطین ۲۷

خواطر و سوانح

اخباری زندگی کا ایک لمحہ ۲۸

عالم مطبوعات و صحائف

نہایۃ الارب اور مسالک الابصار ۲۹

مذہب اور دنیائے جدید ۲۹

اعتذار

(۱) الہلال کی اشاعت میں اندازہ سے زیادہ تاخیر ہوگئی۔ امید تھی کہ نئے ٹائپ کی مطلوبہ مقدار پہلی مئی تک مل جائیگی اور پہلے ہفتہ سے پرچہ نکل جائیگا، لیکن پہلی مئی کی جگہ مئی کے اواخر تک بھی ٹائپ کی کافی مقدار طیار نہوسکی، اور سارا مہینہ اسی انتظار میں نکل گیا - اب بھی جسقدر ٹائپ مہیا ہوا تھا وہ کافی نہ تھا - کم از کم ایک ہفتہ اور انتظار کی ضرورت تھی لیکن چونکہ اب زیادہ تاخیر نا قابل برداشت تھی، اسلئے کسی نہ کسی طرح پہلا نمبر مرتب کرکے شائع کر دیا جاتا ہے - امید ہے کہ اس ہفتہ ٹائپ کی پوری مقدار حاصل ہو جائیگی، اور جرمنی اور قاہرہ کا ٹائپ بھی پہنچ جایگا جسکا ایک عرصہ سے انتظار تھا۔

(۲) اسی سبب سے اس نمبر کے بعض اہم مضامین درج ہونے سے رہگئے - "باب التفسیر" کا حصہ ٹائپ کیلئے چھوڑ دیا گیا تھا، لیکن ٹائپ کی کمی کی وجہ سے کمپوز نہ ہوسکا اور اسی جگہ "مطبوعات جدیدہ" کا ایک صفحہ دیکر فارم پورا کردیا گیا - حالانکہ اسکی جگہ اِس فارم میں نہ تھی - انشاء اللہ آیندہ نمبر سے تمام ابواب اپنی اصلی ترتیب میں درج ہوسکینگے۔

(۳) ایک اہم سوال آیندہ الہلال کے مضامین اور انکے طرز بیان کا ہے - یہ ظاہر ہے کہ الہلال کے فوائد عام نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسکا دایرۂ بحث و نظر عام فہم نہو - اور عام فہم جبھی ہوسکتا ہے جبکہ مطالب کے سہل ہونے کے ساتھہ انکا اسلوب بیان اور زبان بھی سہل ہو - لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے مطالب کا عام فہم طریقہ پر بیان کرنا آسان نہیں، بعض دقیق اور علمی مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کتنا ہی کھلا کر بیان کیا جائے، ایک حد تک مشکل اور گراں ضرور ہونگے - اس مشکل کا ہم نے یہ حل سونچا ہے کہ آیندہ الہلال میں دونوں قسم کے مضامین درج کئے جائیں بڑا حصہ تو سہل و عام فہم ہو، لیکن کچھہ حصہ بلند اور خاص قسم کا بھی ہو - اس طرح عوام و خواص، دونوں کے ذوق و نظر کا سامان مہیا ہوجایگا - باقی رہا زبان کا معاملہ، تو وہ ہر حال میں حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی جائیگی، کسی درجہ کا موضوع ہو، لیکن اسلوب بیان مشکل اور دیر فہم نہوگا۔

بسم الله الرحمن الرحیم

کہے کہ بی رود امروز در گلوئے دو کون
کمینہ جرعۂ تہ شیشہ ہائے دوش من ست !

لحمد لله وحده - الهلال کا پہلا نمبر جون سنه ۱۹۱۲ - میں شائع هوا تھا اور آخری نمبر نومبر سنه ۱۹۱۴ میں - پھر نومبر سنه ۱۹۱۵ سے دوسرا سلسلۂ اشاعت " البلاغ " کے نام سے شروع هوا اور مارچ سنه ۱۹۱۶ میں ختم هوگیا - اب یه تیسرا سلسلۂ اشاعت هے جو کامل گیارہ برس کے بعد از سر نو شروع هوتا هے :

ربنا آتنا من لدنک رحمة وهیی لنا من امرنا رشدا .

* * *

اِس دنیا میں انسان کی بے چارگی اور مشیت الهی کے حکم و سلطان کا سب سے بڑا مظهر انسانی ارادوں کی نا کامی اور قضاء مشیت کا فیصله هے - اسی لئے بعض عرفاء نے کہا هے که " عرفت ربی بفسخ العزائم " یه عجیب بات هے که سنه ۱۹۱۶ - کے اواخر سے لیکر گذشته ستمبر تک کوئی خیال بھی میرے ذهن سے اسقدر بعید نه تھا جسقدر الهلال کی سه باره اشاعت اور اسکی ذمه داریاں قبول کرنے کا خیال تھا - میری شخصی زندگی اور اسکی احتیاجات ' نیز قومی و علمی مقاصد اور انکا مقتضی ' دونو اس بات کے مخالف تھے که الهلال جیسے رساله کی هفته وار اشاعت کی ذمه داری تیسری مرتبه اپنے اوپر لیتا - جهانتک میری شخصی حالت کا تعلق هے ' سب سے پہلا سوال صحت کا تھا اور میں دیکھه رها تھا که وہ روز بروز کمزور هو رهی هے ' اور یه زندگی کی ابتدائی احتیاطوں کے خلاف هوگا اگر سنه ۱۹۱۲ اور سنه ۱۹۱۶ کی سی محنتیں پھر اسکے لئے مہیا کی جائیں - قومی و علمی مقاصد کا یه حال تھا که بعض اهم تصنیفات کی تکمیل و اشاعت عرصه سے ملتوی چلی آتی تھی ' اور الهلال جیسے رساله کی هفته وار اشاعت کا بار اٹھا لینے کے بعد مشکل تھا که انکے لیے فراغ خاطر میسر آسکتا - سکے علاوہ طبع و فکر کی کامجوئیوں اور طلب و نظر کی وسعت پیمائیوں نے بے شمار ارادے نہاں خانۂ دل میں جمع کر رکھے تھے - ان سب کیلئے بھی اوقات فراغ کی ضرورت اور خلوت و انزوا کی جستجو تھی - یہی وجه هے که ۲ - جنوری سنه ۱۹۲۳ - میں جب قید خانه سے نکلا تو اس بارے میں ایک طے شدہ ارادہ اپنے سامنے رکھتا تھا - خیال تھا که جونہی وقت کی سیاسی مشغولیت مہلت دیگی ' پہلا کام یه کرونگا که چار پانچ سال کیلئے کسی ایسے گوشے میں که صحت کی درماندگیوں کیلئے سودمند اور چند رفقاء علم و عمل کی موجودگی سے دلپسند هوگا ' مقیم هوجاونگا اور اپنے پیش نظر علمی و عملی مقاصد کی مشغولیت و تکمیل کے سوا اور کسی کام سے علاقه نہیں رکھونگا :

فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے !

احباب و مخلصین میں جن حقیقت شناسوں کی نظر ان کاموں کی اهمیت پر تھی وہ تو انھی کے متمنی تھے ' لیکن عام طور پر لوگوں کو طلب الهلال کی تھی - کوئی وقت بھی اسکی طلب و اصرار سے خالی نہیں جاتا تھا ' تاهم میری طبیعت کا یه حال تھا که کسی طرح بھی اسکے لئے آمادہ نہیں هوتی تھی - تمام تر جستجو اسی بات کی تھی که فراغ خاطر اور یکسوئی طبع کے ساتھه اپنی علمی زندگی میں مشغول هوجاؤں اور ان ارادوں کی تکمیل کی سعی کروں جو مدتوں سے وقت و مہلت کے منتظر هیں -

* * *

لیکن اس تمام طلب و جستجو کا بالاخر نتیجه کیا نکلا ؟

یه نکلا که وقت کے تقاضے ' احباب کے پیهم اصرار ' اور التوا و انتظار عمل کی ناقابل برداشت حالت سے عاجز آکر مشغولیت کی وهی صورت اختیار کرلینی پڑی جس سے سالها سال تک اس درجه گریز زن تھا - یعنی فیصله کرلینا پڑا که الهلال جاری کردیا جائے ' اور ساتھه هی تصنیف و تالیف کا سلسله جاری رکھنے کی بھی کوشش کی جائے - اگر دونوں کاموں کا به یک وقت انجام دینا دشوار هے تو دشواری پر غالب آنا چاهئے - اگر صحت ساتھه نہیں دیتی تو کیا مضائقه ؟ آسے ساتھه لینا چاهئے - ضرورت هماری درماندگیوں اور آمرزیوں کا انتظار کیوں کرے ؟ کیوں وهی هو جو هماری پسند اور انتخاب هے ؟ کیوں وہ نه هو جو وقت کا حکم اور مشیت الهی کا فیصله هے ؟

سالها سال سے جس عنقائے فراغ اور کیمیائے سکون کی جستجو تھی ' بالاخر اسکا نتیجه نکلا تو یه نکلا !

این رسم و راہ تازہ ز حرمان عهد ماست
عنقا به روزگار کسے نامه بر نبود !

* * *

جنوری سنه ۲۰ - سے لیکر دو سال تک کا زمانه تحریک ترک موالات و لا تعاون کا زمانه تھا اور اسکی خود فروشانه سرگرمیوں میں اسکی مہلت هی نہیں مل سکتی تھی که مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے - لیکن ۱۰ - دسمبر سنه ۱۹۲۱ - کو جب میں گرفتار هوگیا ' اور اسکے چند ماہ بعد مہاتما گاندهی کی گرفتاری پر تحریک کی عملی سرگرمیاں ختم هوگئیں ' تو قید خانه کی کوٹھری میں موقعه ملا که مستقبل کی طرف نظر اٹھاوں اور وقت کی ضرورتیں اور اپنی استعداد کار دیکھتے هوئے آینده کاموں کا فیصله کروں - میں نے فیصله کیا ' اور اسپر مطمئن دل و دماغ لیکر ۲ - جنوری سنه ۲۳ - کو باهر نکلا ' لیکن باهر نکلنے کے بعد ملک کی جو صورت حال سامنے آئی ' وہ بھی ایسی نه تھی که نظر انداز کردی جاتی - تحریک کی عملی قوتیں ختم هوچکی تھیں ' تفرقۂ و انتشار هر گوشے میں نمایاں تھا ' کانگریس دو محارب جماعتوں میں بٹ گئی تھی ' اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی شروع هوگئی تھی - ضروری تھا که بقدر استطاعت اصلاح حال کی کوشش کی جاتی - لیکن جب کوشش شروع کی تو بتدریج اسکا دامن پھیلتا گیا - یہانتک که پورا سنه ۱۹۲۳ - اسی میں نکل گیا .

جنوری سنه ۲۴ - میں حالات نے نئی صورتیں اختیار کیں - کانگریس کی ایک جماعت نے اسمبلی اور کاونسلوں کیلئے کھڑے هوکر ملک کی سیاسی خاموشی میں هلچل پیدا کردی - مہاتما گاندهی

کی رھائی سے نئی امیدیں فروغ پانے لگیں' ھندو مسلمان کے باھمی تفرقہ اور اسکے پیچ در پیچ معاملات نے جنکی ابتدا سنہ ۱۹۲۳ میں ھوچکی تھی ' اب زیادہ وسیع اور گہری حالت اختیار کرلی' اور اسلئے اصلاح حال کی کوششوں کی اھمیت اور مقدار بھی دہ چند ھوگئی - نتیجہ یہ نکلا کہ دنوں نے ھفتوں کی شکل اختیار کی ' ھفتے تیزی کے ساتھہ مہینے بنے ' اور مہینوں نے دیکھتے دیکھتے برس کا دائرہ پورا کردیا - اس طرح سنہ ۱۹۲۴ - کا خاتمہ بھی سامنے آگیا اور مجھے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملی .

***

اب جو چیز میرے ارادوں کی تعمیل میں سب سے بڑی روک تھی ' وہ مسٹر سی ' آر ' داس کا وجود تھا - وہ کسی طرح بھی اس پر راضی نہیں ھوتے تھے کہ میں کلکتہ کا قیام ترک کروں ' اور میں محسوس کرتا تھا کہ میرے تمام ارادوں کی تعمیل کے لئے کلکتہ کا قیام ترک کرنا سب سے پہلی چیز ھے - کئی ماہ اس کشمکش میں نکل گئے - بالآخر ستمبر سنہ ۲۴ - میں میں نے ارادہ کرلیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ منزل طے کرلینی چاھیے - چنانچہ دھلی کے قیام کا ارادہ کیا اور نقل مکان کے تمام ضروری انتظامات عمل میں لانا شروع کردیے - یہانتک کہ اواخر دسمبر میں کتب خانہ بھی صندوقوں میں بند ھوکر کلکتہ سے دھلی پہنچ گیا کہ میرے نقل مکان کی سب سے بڑی متاع یہی تھی .

لیکن جنوری سنہ ۱۹۲۵ - میں جب بلگام کانگرس سے واپس ھوا اور میرے نقل قیام کے معاملہ نے شہرت پائی ' تو مسٹر سی ' آر ' داس اپنے اوصاف و محاسن کی ساری گیرائیوں اور محبت و رفاقت کی تمام کششوں کے ساتھہ کچھہ اس طرح راہ روک کر کھڑے ھوگئے کہ میرے لئے دھلی کی طرف قدم اٹھانا ناممکن ھوگیا - یقیناً میرا ارادہ متزلزل نہ ھوتا اگر اُن کے ساتھہ ملک کے بعض اھم مقاصد کی امیدیں بھی صف آرا نہ ھو جاتیں - یہ وہ وقت تھا جب ملک کی عام حالت کی طرف سے میں نہایت افسردہ دل رکھتا تھا ' اور نہایت اضطراب کے ساتھہ محسوس کر رھا تھا کہ اگر کانگرس کے ھندو رھنماؤں میں سے ایک اولوالعزم شخص بھی ایسا نکل آئے جو ھر طرح کی سیاسی مشغولیتیں اور انکے سود و زیاں کی آلودگیاں چھوڑ کر صرف ملکی مسئلہ کے حل کے لئے اٹھہ کھڑا ھو ' تو میں باوجود ھر طرح کے افسردہ کن حالات کے امید و مراد کا ایک کامیاب قدم اٹھا سکتا ھوں - میرے دل پر اس جوانمرد سیاست کی خوبیاں نقش تھیں - مجھے یقین تھا کہ مہاتما گاندھی کے بعد یہی ایک شخص ھے جو اگر آمادۂ کار ھوگیا تو بہت ممکن ھے راہ کی رکاوٹیں دور کی جاسکیں - وہ مجھے ھمرھی و رفاقت کا یقین دلاتے تھے اور مستعد تھے کہ بنگال کاونسل کے آیندہ معرکہ کے بعد ھمہ تن اس کام کیلئے وقف ھوجائینگے - نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی دور تک قدم اٹھا دینے کے بعد ' پھر واپس لوٹنا پڑا اور اس سلسلہ میں وقت و مصارف کے جو گراں قدر نقصانات پیش آئے ' برداشت کرلینے پڑے

لیکن اس اثنا میں مشیت الہی ایک دوسرا ھی فیصلہ کر چکی تھی - مسٹر داس مجھے روک کر دارجلنگ گئے ' لیکن وھاں پیام اجل خود انہیں روک لینے کی طیاری کررھا تھا - جولائی میں یکایک اُن کا انتقال ھوگیا اور کلکتہ واپس آئے تو اس طرح واپس آئے کہ ھمیشہ کے لئے رخصت ھوچکے تھے ' اور انکے ساتھہ وقت کی وہ امیدیں بھی رخصت ھوچکی تھیں جنکی صفت کھڑی کرکے انہوں نے پانچ ماہ پہلے میری راہ روکی تھی :

درین چمن کہ بہار و خزاں ھم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

***

بہر حال کہانتک اس افسردہ کن داستان کو طول دیا جائے ؟ مختصر یہ ھے کہ یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رھے کہ وقت جو اپنی تیز رفتاری میں کبھی ھمارے حالات کی پروا نہیں کرتا' برابر نکلتا گیا ' اور دیکھتے دیکھتے سنہ ۱۹۲۳ - کی جگہ سنہ ۱۹۲۶ - کا خاتمہ سامنے آگیا !

یک لمحہ غافل بودم و صد سالہ راھم دور شد !

اب بھی طبیعت کا میلان کسی ایسی ذمہ داری قبول کرنے کی طرف نہ تھا - لیکن انسانی طبیعت کے انفعال و تاثر کا کچھہ عجیب حال ھے - گزشتہ ستمبر میں اشغال کے پے درپے التوا اور ملک کی اجتماعی و ذھنی ضروریات کے تقاضے سے طبیعت کچھہ اس طرح متاثر ھوگئی کہ جب ایک موقعہ پر بعض دوستان عزیز نے خصوصیت کے ساتھہ الہلال کی اشاعت پر زور دیا اور اس کی ضرورت کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دلائی تو طبیعت انکار کی طرف مائل نہ ھو سکی - خیال ھوا کہ میرے ذاتی حالات کا مقتضا کچھہ ھی کیوں نہ ھو ' لیکن ترجیح وقت کی ضرورت ھی کو ھے ' اور کام کرنے والوں کیلئے ناگزیر ھے کہ اسکے سامنے سر تسلیم خم کردیں -

ایک حقیقت بالکل واضح تھی اور اُس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا - یہ واقعہ ھے کہ اگر سنہ ۱۲ - اور سنہ ۱۶ - میں الہلال ضروری تھا تاکہ مقصد و عمل کی مسدود راہ قوم پر کھول دے ' تو سنہ ۲۷ - میں بھی وہ کم ضروری نہیں ھے کہ کہ سفر کی سب سے بڑی نازک اور پر خطر منزل میں وقت کی رھنمائی کرے - مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ اگر تقسیم عمل کے فقدان سے اس ضرورت کا کوئی دوسرا انتظام موجود نہیں ' تو چاھیے کہ اپنی تمام ناتوانیوں اور درماندگیوں کے ساتھہ ضرورت و عمل کے مختلف گوشوں میں جسقدر بھی کام کر سکتے ھیں ' کرتے رھیں - اگلا گوشش سے باز نہ آئیں - سعی کی تکمیل اور توفیق کی مساعدت مشیت الہی کے فیصلہ پر موقوف ھے ' اور جو اسکے کرنے کی چیز ھے وہ اسی کے حوالہ کردینی چاھئے .

***

الہلال کے تیسرے دور کا پہلا پرچہ شائع کرتے ھوئے مختلف وقت نے فکر و تصور کے ھر گوشے میں جنبش پیدا کردی ھے - افکار و مطالب کا ھر طرف سے ھجوم ھے - قلم کی درماندگی اور گنجایش اوراق کی کوتاھی کسی طرح بھی اُسکا ساتھہ نہیں دے سکتی جی چاھتا ھے ' گیارہ سال کی خاموشی کی تلافی ایک ھی مجلس میں کردیجیے :

روی بازار مراد امروز حرفی با منست
دیدۂ تر می فروشم دامن تر می خرم !

لیکن مشکل یہ ھے کہ طبیعتیں طوالت بیان کی متحمل نہیں اور رشتۂ بیان کا یہ حال ھے کہ ایک مرتبہ کھل جائے تو پھر جلد لپیٹا نہیں جا سکتا :

این رشتہ بہ انگشت نہ پیچی کہ درازست !

مجبوراً قلم روکتا ھوں - آج کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں - باقی مطالب جو اس موقعہ کے لحاظ سے ضروری تھے ' انکے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے - اب گیارہ برس کے بعد یہ برھم شدہ مجلس دیرینہ پھر آراستہ ھوئی ھے تو جہانتک جوش بیان اور ذوق سماع ساتھہ دیگا ' مجھے کہنا ھے اور حریفان بزم کو سننا ھے :

زخمہ بر تار رگ جاں می زنم
کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم

مطبوعات جدیدہ

فتوح الشام کی سریانی تاریخ

پہلی صدی ہجری کی اسلامی فتوحات پر عربی زبان میں تاریخ کا وافر ذخیرہ موجود ہے ، لیکن یہ کمی ہمیشہ محسوس کی گئی ہے کہ تمام تر بعد کے مورخین کے قلم سے مدون ہوا ہے - خود اُس عہد کی کوئی قلمی شہادت موجود نہیں - یہی وجہ ہے کہ فتوحات مصر و شام کی تاریخی روایات پر زمانۂ حال کے نکتہ چینوں نے اعتراضات کئے ہیں ، اور بعض سرگزشتوں کی نسبت خیال کیا ہے کہ مبالغہ سے خالی نہیں ہیں ۔

لیکن حال میں مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر رائٹ کو ایک سریانی تاریخ کا پتہ چلا ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دمشق کے کسی مسیحی عالم کی تحریر ہے جو فتوحات شام کے زمانہ میں موجود تھا اور اکثر واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا - بد قسمتی سے اسوقت تک پوری کتاب دستیاب نہیں ہوئی ہے - صرف ایک صفحہ ملا ہے - وہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں - اُس میں کل ۲۹ سطریں ہیں - سات ابتدائی سطریں تو کیڑے نے بالکل کھا ڈالی ہیں - باقی سطور میں بھی جا بجا الفاظ مٹ گئے ہیں یا کرم خوردہ ہیں - زمانۂ حال کے مشہور جرمن مستشرق پروفیسر نولڈک Noeldeke نے اس صفحہ کی عبارت حل کی ہے اور اُس پر ایک مختصر رسالہ شائع کیا ہے - چونکہ یہ ایک نہایت قیمتی تاریخی شہادت ہے اسلئے اسکا خلاصہ بعض ضروری تشریحات کے ساتھ ہم شائع کر دیتے ہیں ۔

اِس صفحہ میں جنگ یرموک کا حال لکھا ہے - معلوم ہے کہ فتوحات شام میں یہ جنگ سب سے بڑی اور فیصلہ کن جنگ تھی - اِسی لئے یہ کرم خوردہ صفحہ مورخین کی نظر میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے - ذیل میں اُسکی ہر سطر کا ترجمہ ملاحظہ ہو :-

۱ — ۷ ... (پڑھی نہیں گئی)

۸ — ... کانون ثانی (جنوری) میں معاہدہ قرار پایا اور ہماری جانیں بچیں ۔

۹ — حمص اور دوسرے بہت سے گاؤں برباد اور اُنکے باشندے قتل ہوے ۔

۱۰ — ... (کرم خوردہ) ... محمد ... مقتول اور قیدی بکثرت تھے ،

۱۱ — ... (کرم خوردہ) جلیل سے بیت ...

۱۲ — عرب اطراف (دمشق ؟) میں پھیل گئے -

۱۳ — ہر جگہ نمودار ہوے -

۱۴ — اور آئے ... اور ... انکی طرف ... اور ... دوران -

۱۵ — سنہ ... اور بیس میں فوج کا ہراول روانہ ہوا اور بھیڑوں کے گلے ضبط کر لئے ۔

۱۶ — اطراف حمص میں ، اور رومی اُنکے مقابلہ پر آگئے -

۱۷ — ... اور تاریخ دس

۱۸ — ماہ آب - (یعنی اگست) میں رومی دمشق سے مفرور ہوگئے ۔

۱۹ — بعد اُنکی تعداد دس ہزار کے قریب تھی ، اور

۲۰ — ایک سال بعد رومی آئے اور ماہ آب (اگست) کی ۲۰ تاریخ سنہ

۲۱ — ۹۴۷ میں رومی جابیہ کے مقام میں جمع ہوگئے ۔

۲۲ — اور رومیوں کے بہت زیادہ آدمی قتل ہوئے

۲۳ — تقریباً پچاس ہزار

۲۴ — سنہ (۷) ۹۴ میں ... ۲۵ — ... اور پھیل گئے

۲۶ — ... خوش ہوئے ۲۷ — ...

۲۸ — ... ۲۹ — لیکن رومی رنجیدہ ہوے

(قوسین کے مابین جتنے الفاظ ہیں مستشرق نولڈک کے بڑھائے ہیں)

اِس کرم خوردہ صفحہ نے ایک اہم اور قیمتی بات دنیا کی معلومات میں اضافہ کر دی ہے - ابتک جنگ یرموک کی ٹھیک تاریخ معلوم نہیں تھی - اسلامی مورخین نے کوئی معین تصریح نہیں کی ہے - اُنکا بیان صرف اس قدر ہے کہ رجب سنہ ۱۵ ھ میں ہوئی تھی - لیکن اِس سریانی صفحہ نے اُسکی تاریخ متعین کردی - اِسمیں ۲۰ آب سنہ ۹۴۷ مذکور ہے - یہ سنہ مسیحی نہیں " سلوکیدی " ہے - سلوکیدی تاریخ شاہ " سولیکوس " کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے - یہ سکندر اعظم کی وفات کے بعد (سنہ ۳۲۳ قبل مسیح) شام کا بادشاہ تھا - قدیم زمانے میں یہی تاریخ شام ، عراق ، فلسطین اور اناطولیہ وغیرہ ممالک میں رائج تھی - یہودیوں کی بول چال میں اِس سنہ کا نام " متیان ہشطاروت " ہے - غرضکہ اِس سریانی سند کے بموجب جنگ یرموک ، ۲۰ آب سنہ ۹۴۷ سلوکیدی میں ہوئی تھی - یعنی ۲۰ - اگست سنہ ۶۳۶ عیسوی میں - ہجری حساب سے یہ تاریخ ٹھیک ۱۲ - رجب سنہ ۱۵ ہوتی ہے ۔

اِس صفحہ سے ایک اور اہم نقطہ بھی حل ہوجاتا ہے - یعنی جنگ کے اصلی محل کا تعین - عرب مورخ اُسے خود " یرموک " میں قرار دیتے ہیں - لیکن یہ سریانی مورخ " جابیہ " بتاتا ہے - جابیہ دریاے یرموک سے کچھ فاصلہ پر ہے - غالباً لڑائی جابیہ ہی میں ہوئی تھی - لیکن چونکہ یرموک عرب میں زیادہ مشہور تھا اس لئے عربی مورخین نے اُسے یرموک ہی کی طرف منسوب کردیا - پھر یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسلامی لشکر نے اپنا پڑاؤ یرموک ہی کے کنارے ڈالا ہوگا - کیونکہ یہ لڑائی اگست کے مہینہ میں ہوئی ہے جبکہ شام میں پانی کی قلت ہوتی ہے - ضروری ہے کہ عرب دریا کے قریب رہنے پر مجبور ہوئے ہوں ۔

عرب مورخوں نے اِس جنگ میں رومی فوج کی تعداد کئی لاکھ بتائی ہے - مورخ بلاذری وغیرہ قریب دو لاکھ کے قرار دیتے ہیں ۔ مقتولین کی تعداد بھی بلاذری نے تقریباً ستر ہزار بتائی ہے - بعض یورپین مورخ اِسے مبالغہ کہتے تھے - لیکن اِس سریانی صفحہ نے عرب مورخین کی تصدیق کر دی - اِس میں رومی مقتولین کی تعداد کا تخمینہ پچاس ہزار ہے جو عرب مورخین کے بیان کے قریب قریب ہے - ظاہر ہے مقتولین کی اِتنی بڑی تعداد اُسی فوج میں ہوسکتی ہے جو ڈیڑھ دو لاکھ سے کم نہ ہو ۔

مذاکرہ علمیّہ

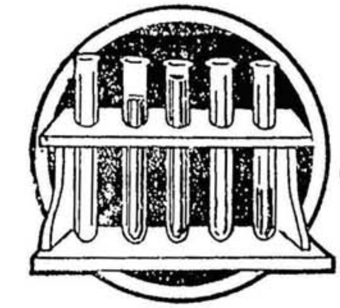

ذرۂ آب کی سرگزشت

علمی مطالب کے بیان کا ایک دلچسپ اور دلنشیں طریقہ یہ ہے کہ تمثیلات و حکایات کے پیرایہ میں بیان کیے جائیں تاکہ وہ لوگ بھی دلچسپی لے سکیں جو علمی مطالب کے خشک مباحث کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ یورپ کے بعض اہل قلم اس قسم کی ادبیات لکھنے میں شہرت و امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ منجملہ انکے مسٹر ویر شیلڈ ہیں جو شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے رسالہ سائینٹفک امریکن میں ایک دلچسپ سلسلہ لکھنا شروع کیا تھا جسکے ہر نمبر میں کوئی ایک علمی موضوع بطریق تمثیل و حکایت بیان کرتے تھے۔ ہم آج اس سلسلہ کا پہلا نمبر ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ذرۂ آب کی سرگزشت ہے اور خود اسکی کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ پانی کا وہ چھوٹا سے چھوٹا خوردبینی (Microscopic) ذرہ جو چشم غیر مسلح (Naked eye) سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اپنے نشو و بلوغ کے مختلف درجوں سے گزر کر کس طرح ایک عظیم اور بے کنار سمندر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور پھر ابتدا کی اس بے مایگی سے لیکر انتہا کی عظمت بے پایاں تک کیسے کیسے عجیب تغیرات و تاثرات اس پر گزرتے ہیں؟ وہ کبھی بادلوں کی چادر ہے۔ کبھی بارش کی بوند ہے۔ کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی سطح منجمد ہے۔ اور کبھی نہروں کی روانی کی صورت میں گنگا جمنا اور دجلہ و فرات ہے۔ حکمت الہی اور فطرۃ کائنات کے یہ تمام عجائب اس مختصر سی داستان میں آپ سن لینگے۔ اس مضمون کے ساتھ دو تصویریں بھی درج کی جاتی ہیں جو ذرۂ آب کے تبدلات کے دو مختلف منظر پیش کرتی ہیں۔ ایک تصویر میں پہاڑی نہر کا منظر دکھلایا ہے جب وہ جم کر بالکل برف ہو گئی ہے۔ دوسری تصویر میں قلم فطرۃ کی نہایت ہی عجیب گلکاری ہے۔ یعنی منجمد پانی کے وہ بلوری مربع ہیں جن میں طرح طرح کے نقوش بن گئے ہیں۔

میں پانی کا ایک ننھا سا ذرہ ہوں۔ اتنا چھوٹا ہوں کہ انسانی آنکھ لاکھ کوشش کرے مجھے دیکھ نہیں سکتی۔ قوی سے قوی خوردبین میں بھی میں نظر نہیں آسکتا۔ تاہم میں موجود ہوں۔ یقینی طور پر موجود ہوں۔ میرے وجود میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کرسکتا۔ میں اپنے ہی جیسے ننھے ننھے ذروں سے مل کر موسلادھار مینہ کی صورت میں شور برپا کرتا ہوں، دریا کی شکل میں موجیں مارتا ہوں، پھر بے پایاں سمندروں کی نیلگوں سطح بنکر زمین کے چاروں طرف پھیل جاتا ہوں۔ میں اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہوں۔ میں تمام حیوانات و نباتات کے جسموں میں موجود ہوں۔ بلکہ اکثر جسم مجھی سے بنے ہیں۔ میں زمین کے بھی تقریباً ہر مادہ میں موجود ہوں۔ حتی کہ سنگلاخ چٹانوں اور ٹھوس دھاتوں تک میں سمایا ہوا ہوں۔ میری سرگزشت بہت طولانی ہے۔ اگر سننا چاہتے ہو تو مجھے انکار نہیں۔

(میری پیدایش)

میں کس طرح پیدا ہوا؟ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے۔ بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں۔ کم سے کم دس کروڑ برس پہلے میں پیدا ہوا تھا۔ اس تمام مدت کے اندر کیسے کیسے عجیب و غریب حالات مجھپر گزرے؟ یہ ایک نہایت طویل داستان ہے۔ تم اسے شروع سے آخر تک کسی طرح بھی نہیں سن سکتے۔ اس کیلئے کئی سو برس درکار ہونگے۔ تمہاری عمر زیادہ سے زیادہ سو برس کی ہوتی ہے حالانکہ یہ بمشکل میری زندگی کی ایک ساعت ہے!

ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب میں پانی نہ تھا۔ کوئی دوسری ہی چیز تھا۔ پھر ایک عجیب طریقہ پر میری ہستی کی ابتدائی بنارث ہوئی۔ یہ کروڑوں برس پہلے کی بات ہے۔ دراصل میری ولادت ایک آتش فشاں پہاڑ یعنی آگ کے پہاڑ کی گردن میں ہوئی تھی۔ یہ پہاڑ اب موجود نہیں ہے۔ بجھکر خاک ہوگیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب زمین نئی نئی جمی تھی۔

میں اس طرح پیدا نہیں ہوا جس طرح نر اور مادہ کے ملنے سے حیوان اور پھول پتے پیدا ہوتے ہیں۔ میری پیدائش دو ذاتوں سے نہیں، تین ذاتوں سے ہوئی ہے۔ "ہیڈروجین" کے دو جوہر "آکسیجن" کے جوہر سے مل گئے۔ انکے ملتے ہی میں اچانک ظاہر ہوگیا!

یہ تین جوہر جنکے ملنے سے میری خلقت ہوئی ہے، بہت پہلے سے موجود تھے۔ اتنے پہلے سے جسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میرے ان اجداد کی تاریخ ضرور عجیب اور عظیم الشان واقعات سے لبریز ہوگی۔ اگر مجھے کسی طرح معلوم ہوجاتی تو میں آفتاب کی اصلیت اور ستاروں کے گزشتہ انقلابات کے تمام اسرار فاش کردیتا۔ یہ تینوں جوہر اثیر (ایتھر) یا لامتناہی فضا میں موجود تھے جس سے کہ آفتاب کی تکوین ہوئی ہے۔ پھر جب ستارے آفتاب سے جدا ہوئے تو میرے ان تینوں بزرگوں نے اپنے لئے زمین پسند کر لی۔ وہ شاید جانتے تھے کہ زمین ہی زندوں کا مسکن بنیگی، لہذا انہوں نے کمال دانشمندی سے باقی تمام ستاروں پر اسے ترجیح دی۔ صرف ترجیح ہی نہیں دی بلکہ یہ احسان عظیم بھی کیا کہ اسے دو بننے کیلئے جس ابتدائی سروسامان کی ضرورت تھی، اسکے بنانے میں اس کا ہاتھ بھی بٹایا۔ حالانکہ وہ خود اس وقت نہایت کمزور اور کم مقدار تھے۔

میری تکوین کے وقت یہ تینوں حضرات جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں، آتش فشاں کی گردن میں معلق تھے۔ انکے لئے پہاڑ کے آتشیں پیٹ میں باہم ملاقات و معانقہ ناممکن تھا۔ کیونکہ وہاں سخت گرمی تھی اور دباؤ بھی بے حساب تھا۔ لہذا وہ اوپر کو چلے۔ یہاں انہوں نے حرارت میں جو ذرا کمی پائی تو بے صبری سے بیچ گردن ہی

میں ہم آغوش ہوگئے۔ اُنکا ملنا نہ تھا - ایک طلسم تھا۔ فوراً میرا وجود ظہور میں آگیا!

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اِن تینوں بزرگوں کو صرف ایک ہی فرزند نصیب ہوا۔ ایک اکیلا میں ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ میرے ساتھ بیک وقت میرے کروڑوں بھائی بہن بھی پیدا ہوگئے تھے۔ سب ٹھیک میری ہی طرح پیدا ہوئے اور بالکل میرا ہی سا قد و قامت پایا - میں کیا کہوں ہم سب کس دوزخ میں تھے؟ ہماری جنم بھومی میں قیامت کی گرمی تھی - دم منھہ کو آتا تھا۔ گلا گھٹا جاتا تھا۔ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا - آخر اِسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ کسی طرح باہر نکل کھڑے ہوں - چنانچہ ہم آہستہ آہستہ اڑکر پہاڑ کی گردن تک پہنچے۔ یہاں جو ذرا دباؤ میں کمی ہوئی اور ہماری قوت بڑھی تو ہم سب نے ایک ساتھہ زور مارا اور اچانک باہر کود پڑے - ہمارا نکلنا کوئی معمولی سی بات نہ تھی - ایک ہولناک دھماکا تھا - پہاڑ کی پوری چوٹی اڑکر ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر ہم نے فوراً بھاپ کے ایک ستون کی شکل اختیار کرلی - یہ ستون بہت لمبا تھا۔ ہم سیدھے اوپر کی طرف اٹھتے رہے۔ اب ہم اپنی سب سے پہلی قید سے آزاد ہوگئے تھے۔

(فضا میں پرواز)

پہاڑ کی چوٹی توڑ کر جب ہم باہر نکلے تو میں نے اپنے آپکو فضا میں اڑتا پایا۔ گرم ہوا مجھے بہت اونچی بلندیوں پر لے گئی - میں نہیں کہہ سکتا کتنی دور تک پہنچا - میرے پاس ناپنے کا کوئی آلہ نہ تھا - تاہم مجھے یقین ہے کہ زمین سے دس میل تو ضرور اوپر ہونگا - وہاں پہنچکر میں تھم گیا۔ آکسیجن اور نائٹروجن کے عناصر جن سے ہوا مرکب ہے مجھے گھیرے تھے۔ میرے گرد کروڑوں آبی ذرے رقص کر رہے تھے۔ کسی کو قرار نہ تھا۔ حیرت انگیز سرعت سے اوپر نیچے ہوتے رہتے تھے۔ ساتھہ ہی سخت تصادم بھی جاری تھا۔ ہر لمحہ لاکھوں ذرے آپسمیں ٹکریں مارتے اور ہوا کے عناصر بھی انسے متصادم ہوتے۔ میں کہہ نہیں سکتا کس غرض سے یہ تمام رقص و تصادم جاری تھا؟ بلکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں اُنکے وجود سے مقصود اصلی کیا تھا؟ میں صرف اپنا مشاہدہ بیان کررہا ہوں۔ اسرار اور علل کا شناسا نہیں ہوں۔

بہر حال ہواؤں نے ہمیں اپنی گود میں اٹھا لیا اور مشرق کی سمت لے چلیں۔ تم کہوگے مشرق کی طرف کیوں لے گئیں؟ یہ اِس لئے کہ اُن بلندیوں پر ہوائیں ہمیشہ پچھم سے پورب ہی کی طرف چلتی ہیں۔ ہواؤں کی گود میں آرام سے بیٹھکر میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں آبی اور خاکی ذروں کے ساتھہ پورے کرۂ زمین کا پہلی مرتبہ دورہ لگایا۔

یہ بڑے اچھے دن تھے - ہمارے لئے خوشی ہی خوشی تھی۔ ہوا نہایت لطیف تھی۔ ہم پانی کے ذرے پوری آزادی اور وسعت کے ساتھہ چلتے پھرتے تھے۔ یہ آزادی ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ کیونکہ حرکت ہماری فطرت میں ہے - ہم ایک دم بھی ٹھہر نہیں سکتے۔ اُس وقت حرکت کی ہمیں پوری آزادی تھی۔ لیکن اِسکا نتیجہ یہ ضرور تھا کہ ہم میں ہروقت سخت تصادم جاری رہتا تھا۔ ایک لمحہ میں لاکھوں مرتبہ باہم ٹکراتے تھے!

اُس زمانہ میں ہمارا مسکن بادلوں اور ہواؤں کے اوپر یہ تمام چیزیں نشیبی فضا میں رہتی ہیں اور ہم اُنسے بلندی تھے - ہم اپنے اوپر آسمان کو سیاہ دیکھتے اور آفتاب نیلا دکھائی دیتا۔ تارے ہمیں ٹھیک دوپہر کو بھی نظر آجاتے تھے - وہاں ہوا از لطیف ہے - زمین سے دسواں حصہ بھی اُس میں کثافت نہیں لیکن ہوا کی اِس لطافت نے آفتاب کی شعاعیں بہت تیز کردی تھیں - کیونکہ لطیف ہوا دھوپ بہت کم جذب کرتی ہے - یہی باعث ہے کہ وہاں سردی بھی بلا کی پڑتی ہے - سورج کی شعاعیں بہت تیز تھیں لیکن مجھپر انکا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا - اُنکا اثر صرف اُنہیں جسموں پر پڑسکتا ہے جو بہت سے ذروں سے مرکب ہوکر بنے ہوں - مجھپر کیسے اثر پڑتا؟ میں تو محض ایک ننھا سا ذرہ تھا۔

(بادلوں میں داخلہ)

مدت دراز تک ہم اِسی حالت میں رہے۔ پھر ہوا کا وہ حصہ ٹھنڈا پڑگیا جہاں ہم تھے - میں فوراً اپنے لاکھوں بھائیوں کے ساتھ خاک کے ایک ذرہ سے لپٹ گیا جو پاس ہی اُڑرہا تھا - اِس حرارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اب تک پانی کا ایک منجمد قطرہ بن گیا - لیکن یہ قطرہ نہایت ہی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ ہوا میں برابر اُڑتا رہا - میرے قطرہ کی طرح اور بھی بے شمار قطرے بن گئے تھے۔ یہ سب میرے مشورے سے مل گئے اور اب ہم ایک بھوری بادل کی صورت میں آسمان کو چھاگئے - وہ قصہ اُس وقت کا ہے جب انسانی نسل کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ بلکہ کوئی بھی سانس لینے والا حیوان زمین پر موجود نہ تھا۔ البتہ

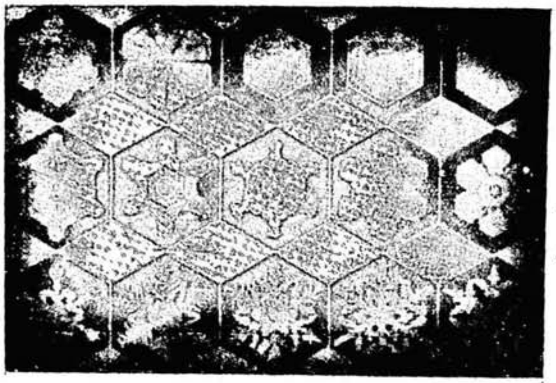

برف کے بلوری ذرے جس طرح کہ خوردبین میں نظر آتے ہیں

مچھلیاں موجود تھیں - اگر وہ اُس وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھاکر دیکھتیں تو اُنہیں اس گنبد نیلگوں میں بادل کی ایک خوبصورت چادر ہلتی نظر آتی! —

اِس اثنا میں کبھی کبھی ہوا کی ہلکی موجیں ہم سے آ آکر ٹکراتی تھیں اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا کردیتی تھیں۔ اِس حالت میں ہمارا بادل غائب ہوجاتا تھا۔ کیونکہ ہوا کے تصادم سے گرمی بڑھ جاتی تھی اور ہماری برفانی فطرت بھاپ بنکر اوجھل ہوجاتے تھے۔ یہ عمل مدت تک جاری رہا - آخرکار ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم اتفاق سے نشیبی فضا میں سیر کر رہے تھے۔ اچانک ہوا کی موجیں آکر ٹکرا گئیں۔ اِس وقت اُنکی رفتار بہت زیادہ تیز تھی۔ اِس سرعت کا لازمی نتیجہ حرارت کی زیادتی ہوئی - ہم نے غبار کا ایک ذرہ پکڑ کر سہارا لینا چاہا - مگر اچانک سیال پانی کی ننھی بوند بنکر رہگئے - یہی حال میرے دوسرے بھائی بندوں کا بھی ہوا - سب پانی کی بوندیں بن گئے - پھر اِن سب بوندوں نے مل کر ایک چھوٹی سی آبی بدلی کی شکل اختیار کرلی - یہ بدلی کی دوسری حالت تھی جو ہم پر طاری ہوئی۔

ہماری یہ دوسری بدلی آہستہ آہستہ بھاری اور موٹی ہوتی گئی۔ کیونکہ بے شمار آبی ذرے اُس میں آکر جمع ہونے لگے۔ ہوتے

ہوتے یہی بدلی ایک عظیم الشان کالی گھٹا کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔ وہ پورے آسمان پر چھائی تھی اور سورج کو زمین کے ایک حصہ سے چھپادیا تھا۔ اب ہم دو مخالف اور متضاد قوتوں کے بیچ میں تھے۔ ایک طرف قوت جاذبہ تھی۔ یہ ہمیں مجبور کرتی تھی کہ ایک دوسرے سے ملیں اور باہم پیوست ہوں تاکہ بڑے بڑے قطرے وجود میں آئیں۔ دوسری طرف قوت دفع کرنے والی تھی اور اسکی کوشش یہ تھی کہ ہم باہم ایک دوسرے سے جدا رہیں اور منتشر ہو جائیں۔ لیکن یہ قوت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی اور پہلی قوت قوی ہوتی گئی۔ لہذا ہماری باہمی پیوستگی برابر بڑھتی رہی اور بڑے بڑے قطرے بنتے گئے۔

ہوتے ہوتے یہ قطرے اتنے بڑے اور وزنی ہوگئے کہ ہوا میں انکے اٹھانے کی قوت باقی نہ رہی۔ اب ایک عظیم انقلاب پیش آیا۔ قطرے مینھہ کی صورت میں زمین پر آ کر گرے، اور میں جو بالا نشین تھا زمین بوس ہوگیا۔ یا تو ہوا کی گود میں اتنی بلندی پر اڑا اڑا پھر رہا تھا، یا اب گر کر دریائے زخار کا ایک نہایت ہی حقیر جزء ہو کر رہ گیا۔ اتنا حقیر کہ تم شاید تصور بھی نہیں کرسکتے۔ سوئی کی نوک پر پانی کی جتنی بڑی بوند ٹھہر سکتی ہے، اس سے بھی کہیں زیادہ میں چھوٹا تھا۔ اس بوند میں میرے جیسے کروڑوں ذرے موجود ہوتے ہیں!

(سمندر میں واپسی)

سمندر میں پہنچکر ایک اور انقلاب میں نے دیکھا۔ فضا میں اگرچہ میں آزاد تھا تاہم ہوا کے قبضہ ہی میں تھا۔ ہوا مجھے اٹھائے اور پکڑے تھی۔ لیکن اب سمندر میں خود میں نے پگھلے ہوے مواد گھیرنا اور پکڑنا شروع کردیے۔ یہ مواد مختلف قسم کے ہیں اور تمہارے علماء نے انکے الگ الگ نام رکھے ہیں۔

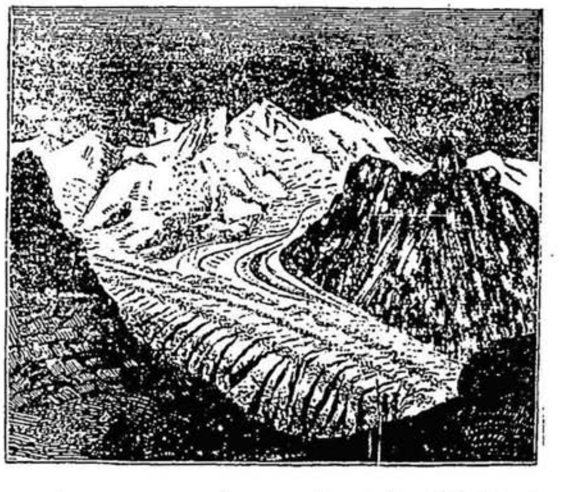

منجمد نہر کا ایک منظر جو کوہ الپس کی چوٹیوں سے نشیب میں جا رہی ہے

ان میں سب سے زیادہ مشہور کھانے کا نمک ہے۔ اس کا نام اصطلاح میں "کلورایڈ سوڈیم" یا "کلورایڈ سوڈیئم" ہے۔ اسکے بعد "کلورایڈ میگنیشیم" پھر "سلفائڈ میگنیشم" اور "ملشیم" اور "پوٹیشیم" اور "کاربن" اور "برومائڈ" اور "آیوڈائڈ" اور "فلورایڈ" وغیرہ ہیں۔ انہی مواد میں سونا چاندی بھی داخل ہیں۔ کیونکہ سمندر کا پانی ایسے خالی نہیں ہے۔ ہم نے باوجود رقیق ذرے ہونے کے بہت سے مواد قید کرلئے، جس طرح ہوا نے گیس ہونے پر بھی ہمیں قید کر رکھا تھا۔ ہم نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ خود ہوا سے بھی اپنی پرانی قید کا بدلہ لے لیا۔ لیکن وہ بھی انتقام پر اتر آئی۔ اسنے غیظ و غضب سے ہم پر حملے کرنا اور موجوں کی شکل میں ہمیں اچھالنا شروع کیا۔ دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ بعض علاقوں میں سورج بھی ہم پر نہایت سختی سے اپنی گرم شعاعیں ڈالنے لگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارا وزن کم ہوگیا اور رفتار سست پڑگئی۔ اس دوران میں میری حالت ناقابل بیان تھی۔ کبھی میں ساحل پر آکر گرتا تھا، کبھی دھارے میں پڑکر خط استوا سے قطب تک چلا جاتا تھا، اور کبھی زمین کے چاروں طرف چکر کھاتا پھرتا تھا۔

ستم یہ ہوا کہ ہوا اور سورج دونوں مخالف ہوکر ہمیں نیچا دکھانے پر تل گئے۔ ایک مرتبہ میرے بہت سے بھائی بند اسی ذرے سطح سمندر پر غفلت میں پڑے تیر رہے تھے کہ ایکبار ہوا نے حملہ کردیا اور قید کرلینا چاہا۔ سورج بھی فوراً اسکی کمک پر مستعد ہوگیا اور اپنی شعاعوں کا لشکر اتار دیا۔ اب مقابلہ ناممکن تھا۔ یہ تمام ذرے قید ہوگئے۔ میری جو شامت آئی تو میں بھی تماشہ دیکھنے اوپر آگیا۔ ہوا اور سورج نے دیکھا تو مجھپر بھی ہاتھ صاف کیا اور قید کرکے اوپر لے چلے۔ میری نادانی دیکھو کہ میں اس قید پر بہت خوش ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ سمندر میں رہنے سے ہوا میں رہنا کہیں اچھا ہے۔ چنانچہ بغیر کسی عذر کے روانہ ہوگیا۔ بہت اوپر لیجاکر ہوا نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں خوش و خرم لامتناہی فضا میں رقص کرنے اور دوڑنے لگا۔ اب مجھے کوئی غم نہ تھا۔ جب ذرا جی گھبراتا تو نیچے نظر کرکے خشکی اور تری کا تماشہ دیکھ لیا کرتا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میری اس خوشی کی عمر بہت تھوڑی ہے۔

(برفانی درہ اور پہاڑ میں)

مدت دراز تک میں اسی حالت سے آسمان پر سیاحی کرتا رہا۔ کبھی [illegible] تنہا پھرتا، کبھی بھاپ کے ابر کے ساتھ ہوا خوری کرتا۔ آخر [illegible] کی رنگ لائی۔ ایک دن میں سیر و تفریح میں مصروف تھا کہ سخت سردی نے آ گھیرا۔ قریب تھا کہ [illegible] جاؤں۔ میں [illegible] برف کے ایک ننھے سے قطرہ میں جو نہایت خفیف، [illegible] اور [illegible] تھا، [illegible]۔ یہ [illegible] قطرہ دوسرے برفانی [illegible] کے ساتھ سرد ہوا میں قائم تھا۔ نور کی شعاعیں اسپر پڑتیں اور منعکس ہوکر ہالہ کی شکل میں سورج اور چاند کے گرد نظر آتیں۔ اسکے بعد میرے برفانی مثلث نے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔ یہانتک کہ مسدس شکل کی ایک برفانی چادر سی بن گئی۔ یہی حال دوسرے مثلثوں کا بھی ہوا۔ پھر سب باہم مل گئے، اور برف کا بھاری بادل بن کر فضا میں حل پڑے۔ چلتے چلتے ایک بہت ہی قدیم اور سربفلک پہاڑ ملا۔ میں نے کہ پہاڑ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس پر برف جمی پڑی تھی۔ ہمارا بادل اچانک اس کی چوٹی پر اتر پڑا۔ اب بھی نعمت معلوم ہوتی، مگر غضب یہ ہوا کہ ہمارے بادل پر فوراً اور بہت سے برفانی بادل بھی آگرے۔ میں انکے نیچے بالکل دفن ہوگیا۔ یہاں کی سردی ناقابل بیان تھی۔ یا تو میں خط استوا کے سمندروں میں گرم سورج کے نیچے رہتا تھا، یا اب برف کی بے شمار تہوں کے نیچے دبا پڑا تھا!

لیکن خوش نصیبی سے میرے اوپر کی برف کو ترس آگیا۔ شاید خود اسے بھی سردی لگی اور وہ آہستہ آہستہ پہاڑ سے نیچے کی طرف پھسلنے لگی۔ اب مجھے پھر اس مصیبت سے نکلنے کی امید بندھی۔ مگر ابھی قسمت میں آرام نہ تھا۔ اوپر سے اور برف برابر گررہی تھی۔ قبل اسکے کہ میری برف پگھل کر پانی ہو،

بريدِ فرنگ

جمهورية اور شهية كي نئي كشمكش

تاج كيلئے در جرمن عورتوں كي مخفي جنگ

الهلال كے مقاله نگار مقيم برلن كے قلم سے

(اصل انگريزي سے ترجمه كيا گيا)

سابق قيصر جرمني

چند دن هوئے برلن كي سڑكوں نے ايک هيبت ناک منظر ديكها - شاهراهوں پر إس طرح گولياں چلتيں اور لاشيں گرتي تهيں جس طرح عام بغاوتوں كے زمانه ميں هوا كرتا هے - يه لڑائي جمهوريت پسندوں اور شاه پسندوں كے درميان تهي - پوليس بهي بے دهڑک فير كر رهي تهي اور علانيه جمهوريت پسندوں كے خلاف تهي - لڑائي كي اهميت كا اندازه إس سے كيا جاسكتا هے كه پريسيڈنٹ هيڈنبرگ كا حريف هرٹيلان بهي إس ميں شريک تها اور سخت زخمي هوا .

ليكن يه لڑائي كتني هي سخت هو' مجهے اُس كي تفصيلات پر بحث كرنے كي ضرورت نهيں - ريوٹر ايجنسي نے إس فرض سے سبكدوش كرديا هے - مجهے إس وقت اصلي معامله پر غور كرنا هے - يه لڑائي اور إس جيسي بهت سي لڑائياں جو جرمني ميں هوتي رهتي هيں' بجاے خود زياده اهميت نهيں ركهتيں - اصلي اهميت اُس سبب كو حاصل هے جو إن خانه جنگيوں كا موجب هے .

دنيا جانتي هے كه جرمني ميں اگرچه جمهوري حكومت قائم هوگئي هے مگر ملک كا عام رجحان شاهي كي طرف هے - جرمني آج بهي اُسي طرح تاج و تخت كي پرستش كرتا هے' جس طرح جنگ سے پهلے كرتا تها - معزول قيصر اِس وقت بهي جرمن دلوں كا ويسا هي ديوتا هے جيسا اپنے عروج كے زمانه ميں تها - جرمني ميں جمهوري حكومت إس لئے قائم نهيں هوگئي هے كه باشندوں كي اكثريت اُسے چاهتي هے' بلكه إس وجه سے هے كه جرمني كے لئے انگلستان اور فرانس كو خوش ركهنا ضروري هے اور وه سابق قيصر اور خاندان هوهنزولرن كي حكومت پسند نهيں كرتے .

پهر دنيا يه بهي خوب جانتي هے كه اب إن دونوں طاقتور حريفوں كا رعب كم بلكه تقريبا زائل هوگيا هے - اب جرمن علي الاعلان اپنے شاه پسندانه ميلان كا إظهار كرتے اور جنگي سپهسالار اپنے آقا وليم كي وفاداري كے كهلے بندوں مقر هيں - خود جنرل هنڈنبرگ موجوده رئيس جمهوريت بهي اپنے إس رجحان كے لئے مشهور هوچكا هے - ايک مرتبه تو اُس نے صاف صاف اعلان كرديا تها كه " سابق قيصر كي وفاداري كي جو قسم ميں نے كهائي تهي' اُس سے ابتک آزاد نهيں هوا هوں " يهي باعث هے كه جب وه رئيس جمهوريت منتخب هوا تو عام طور پر دنيا نے خيال كيا كه يه قيصر كے واپس آنيكي تمهيد هے - يه خيال بے بنياد بهي نه تها - يه واقعه هے كه اِس بوڑهے جنرل نے سياسي زندگي كي بوجهل ذمهدارياں زياده تر اِسي نيت سے قبول كيں كه اپنے پرانے آقا كے لئے زمين طيار كرے - برلن كے سياسي حلقوں ميں تو يهانتک كها جاتا هے كه هنڈنبرگ نے يه منصب خود قيصر كے اصرار و حكم سے قبول كيا هے - صرف هيڈنبرگ هي نهيں' جو جماعت إس وقت برسر حكومت هے' اُسكي اكثريت بهي سراسر شاه پسند هے .

ميں جس پهلو پر روشني ڈالنا چاهتا هوں' وه ابتک عام نظروں سے تاريكي ميں هے - باوجود شاه پرستي كے عام ميلان كے ابتک شاهي حكومت كا قيام كيوں وجود ميں نهيں آ سكا ؟ يه سوال اكثر دلوں ميں پيدا هوتا هے مگر صاف جواب حاصل كئے بغير رہ جاتا هے .

نئي برف نے آكر اُسے ٹهوس يخ بنا ديا - اب ميں سخت اور شفاف برف كي چٹان كا ايک جزء بن گيا تها - قدرت كے كرشمے ديكهو ! ايک وقت ميں بهاپ كا ذره تها : هر طرف اڑتا پهرتا تها - اب ايک نهايت ٹهوس جسم كا جزء بن گيا - جب تک هوا ميں رها' آزادي سے حركت كرتا تها : سمندر ميں بهي زياده بندش نه تهي - ليكن برف ميں پڑكر مجهے صديوں ايک تنگ اور سرد قيدخانه ميں رهنا پڑا - نه وهاں روشني نظر آتي تهي - نه كسي طرف جنبش كرسكتا تها - اندهيرا گهپ - موت كي سي خاموشي - قبر سے بدتر قيدخانه !

(سمندر ميں واپسي)

صدياں گزرگئيں - ميں نا اميد هوچكا تها - سمجهتا تها كبهي رهائي نصيب نه هوگي - مگر يه بهي ميري غلطي تهي - جس برف ميں ميں مقيد تها وه برابر نيچے اُترتي جاتي تهي در اصل اُسنے ايک برفاني سيلاب كي شكل اختيار كر لي تهي - اُترتے اُترتے وه زمين كے كنارے پهنچ گئي - ميں بالكل غافل تها - ايكبارگي اُسكا ايک بڑا ٹكڑا ٹوٹ كر سمندر ميں گر پڑا اور زور كا دهماكا هوا - ميں سمجها پهاڑ پهٹ پڑا هے - پهر خاموشي چهاگئي اور ميري نا اميدي لوٹ آئي - ليكن بالآخر ايک دن جبكه ميں غافل تها' برف كا وه ٹكڑا ايک چٹان سے ٹكراكر پاش پاش هوگيا' اور ميں قيد سے آزاد هوگيا - اب ميں پهر اُسي سمندر ميں پڑا تير رها هوں جس سے كسي زمانه ميں هوا قيد كركے آسمان پر لے آئي تهي - يه هے ميري سرگزشت كا ايک حصه - باقي حصے كسي دوسري فرصت ميں بيان كرونگا .

تحقیقات کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی کے قیام میں زیادہ تر اس وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے کہ خود شاہ پسندوں میں پھوٹ پڑگئی ہے - انکی دو پارٹیاں ہوگئی ہیں اور ایک دوسرے کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہے -

عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں کے لیڈر دو ضدی عورتیں ہیں - دونوں میں سخت عداوت ہے - ایک دوسری کو پیس ڈالنے پر تلی ہوئی ہے اور پس پردہ سخت جنگ ہو رہی ہے - صدیوں کے بعد آج جرمنی پھر عورتوں کی سازشوں کا آماجگاہ بن گیا ہے .

یہ دونوں لڑنے والی عورتیں کون ہیں ؟ ساس اور بہو! سابق قیصر ولیم کی نئی دلہن اور سابق ولی عہد کی بیگم - یہ ہیں وہ دو آتش مزاج اور اولوالعزم عورتیں جو پروشیا کے تخت کے لئے خانہ جنگی کی طیاریاں کر رہی ہیں !

یہ ایک کھلا راز ہے کہ شاہزادی ہرمائن (سابق قیصر کی دوسری بیوی) اپنے بڑھے شوہر کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہے - خود قیصر ولیم امریکا کے ایک مشہور اخبار میں ایک حد تک اس کا اعتراف کرچکے ہیں - قیصر نے اپنے مضمون میں اپنی دو محبتوں کی سرگزشت لکھی تھی - پہلی محبت کا تعلق متوفی ملکہ آگسٹا سے ہے - اس کے بارے میں قیصر نے یہ جملہ لکھا تھا : " اسکی جدائی کا داغ میرے قلب سے کبھی مٹنے والا نہیں " لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ داغ مٹ گیا اور بدنصیب شہنشاہ کے آنسو زندگی کی ایک نئی دلچسپی نے بہت ہی جلد خشک کردیے - ایک دن یہ غمزدہ انسان اپنی ڈاک کا تھیلا دیکھ رہا تھا - اچانک ایک خط نظر آیا - یہ خط ایک بیوہ کے لڑکے نے لکھا تھا .

قیصر کہتا ہے " مجھے فوراً اپنے ایک مرحوم وفادار افسر کا نام یاد آگیا اور اس مناسبت نے دلچسپی پیدا کردی" چنانچہ خط و کتابت جاری ہوگئی اور قیصر کے دل میں محبت کی گدگدی پیدا ہونے لگی - شاہزادی ہرمائن کی شادی اسی اتفاقی خط و کتابت کا نتیجہ ہے - قیصر نے بڑی گرم جوشی سے اپنی نئی بیوی کا ذکر کیا ہے - ڈورن میں آنے جانے والے واقف ہیں کہ بڑھا شہنشاہ کس طرح اپنی نئی دلہن کے قبضہ میں ہے - سابق ملکہ کے ساتھ وہ ایک سخت گیر شوہر تھا - مگر اب وہ پورے معنوں میں مطیع خاوند ہے .

یہ واقعہ ہے کہ جنگ میں ناکامی کے بعد قیصر کی طبیعت بجھ گئی تھی - وہ بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنا چاہتا تھا - مگر شاہزادی ہرمائن نے آکر اس میں ایک نئی روح پھونک دی - یہ اسی کے اصرار کا نتیجہ تھا کہ قیصر نے کھوئے ہوئے تاج و تخت کا پھر خیال کیا اور برلن واپس جانے کی کوشش شروع کردی .

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہرمائن کیسی بلند حوصلہ اور مستقل مزاج عورت ہے ؟ وہ اپنے سر پر تاج دیکھنے کیلئے سخت بیچین ہے - ممکن ہے وہ پورے جرمنی کی ملکہ نہ بن سکے - لیکن پروشیا کے تاریخی تخت پر بیٹھنے کا تو اسنے عزم مصمم کرلیا ہے - قیصر کی اس وقت بھی یہی ضد ہے کہ اسے سب لوگ " امپریس " (شہنشاہ ملکہ کے) لقب سے پکاریں .

میدان میں ایک طرف ہرمائن ہے اور پوری قوت سے کام کر رہی ہے - دوسری طرف شاہزادی سیسیلیا سابق ولی عہد کی بیوی کھڑی ہے - یہ شاہزادی اپنے شوہر کی طرف سے بالکل نا امید ہوگئی ہے - اب اسکی امیدوں کا مرکز اس کا لڑکا ہے جسکی عمر اس وقت ۲۱ برس کی ہوچکی ہے - وہ اسی کو مسند شاہی پر بٹھانا چاہتی ہے - قیصر ولیم کا یہ پوتا نہایت خوبصورت، خوش اخلاق، ملنسار، اور بہادر ہے - بڑا جوشیلا ہے اس سے محبت کرتا ہے - اس کی شخصیت کے متعلق طرح طرح کے عقیدتمندانہ قصے تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں .

ان دونوں شاہزادیوں میں جان توڑ مقابلہ ہو رہا ہے - دونوں اس جنگ میں غیر معمولی ہمت و مہارت ظاہر کر رہی ہیں، اور دونوں نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کرلیا ہے - مگر ایسے آثار موجود ہیں جو ہرمائن کی فتحمندی کا زیادہ یقین دلاتے ہیں - بلکہ اس وقت تک وہ کئی کامیابیاں حاصل بھی کرچکی ہے - چنانچہ اپنے اور اپنے شوہر کیلئے حکومت سے دو لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین اور ایک لاکھ پونڈ نقد حاصل کرچکی ہے - روز بروز اسکا اقتدار بھی بڑھتا جاتا ہے . بظاہر اسکی کامیابی قریب ہے - معزول قیصر کی واپسی کے خلاف جو قانونی بندش کئی سال سے قائم تھی، چند مہینے بعد ختم ہو جائیگی - خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت قیصر کو کوئی قوت بھی جرمنی میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتی !

یہ عجیب بات ہے کہ اس لڑائی میں دونوں کے شوہر بڑی حد تک بے غرض ہیں - معزول قیصر کی زندگی ختم ہونے پر ہے - اس لئے اسے اپنی ذات کے لئے اب کچھ لینا نہیں ہے - صرف اپنی محبوب بیوی کی رضا جوئی پیش نظر ہے - اسی طرح سابق ولی عہد بھی تاج و تخت سے بیزار ہے - صرف اپنے بیٹے کی محبت اسے مجبور کر رہی ہے کہ اپنی بیوی کی کوششوں کا ساتھ دے .

پاؤں کی کیلیں

بعض آدمیوں کے پیروں میں کیلیں نکل آتی ہیں - یہ کیلیں کئی طرح سے مختلف ہوتی ہیں - کبھا پڑتا ہے جو اس میں پاؤں کی کھال موٹی ہو جاتی ہے - کیل میں بھی کھال موٹی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی گوشت میں آهنی کیل کی طرح ایک لمبی سی کیل بھی پڑ جاتی ہے جو سخت تکلیف دیتی ہے عام طور پر اسے کاٹ دیا جاتا ہے اور عارضی آرام ہو جاتا ہے مگر وہ پھر بڑھ جاتی ہے اور پریشان کرتی ہے - بہت سے لوگ اسے دوا لگا کے داغ دیتے ہیں مگر زیادہ فائدہ نہیں ہوتا .

یہ لحمی کیلیں تنگ جوتا پہننے سے پیدا ہوتی ہیں - کبھی پاؤں کے تلوے میں ہوتی ہیں - کبھی انگلیوں کے اوپر، اور کبھی ان کے درمیان پڑ جاتی ہیں - تنگ جوتے سے جس مقام پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے، وہاں التہابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - اگر جوتا اتارا نہ جائے تو کھال کٹ جاتی ہے لیکن اتارنے کے بعد یہ التہاب اکثر کیل کی شکل اختیار کرلیتا ہے .

یہ کیلیں تندرستی کے لئے نہایت مضر ہیں - سینہ اور حلق پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکا میں اس سے بچنے کے لئے عام طور پر ڈھیلے جوتے پہنے جاتے ہیں - انگریز اس بارے میں سب سے زیادہ محتاط ہیں - حتی کہ کبھی کبھی ان کے جوتے اتنے ڈھیلے ہوتے ہیں کہ برے معلوم ہوتے ہیں - انگریزوں کی احتیاط کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ لارڈ ولنگٹن سے پوچھا گیا سپاہی کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے ؟ انہوں نے کہا " تین چیزوں کی : ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا "

حسن و عشق اور تاج و تخت

رومانیا کا تخت شاهي ایک فتنه گر حسن کے رحم پر

(قیس کي داستان لیلی کي زباني)

الهلال کے مقاله نگار پیرس کے قلم سے

اس وقت دنیا کے کسي ملک میں بھي وه عجیب صورت حال درپیش نهیں هے جو ایک برس سے رومانیا کو ایک سخت داخلي اضطراب میں مبتلا کیے هوئے هے - ملک میں هر وقت خانه جنگي اور خونریزي برپا هو جانے کا اندیشه هے - نهیں کها جاسکتا حالات کي یه نازک صورت حال کس حد تک پهنچکر رکیگي ؟

یه تمام اضطراب و اختلال کیوں هے ؟ صرف اسلیے که پرنس کارل سابق ولي عهد رومانیا پر کماندار عشق کا بے پناه تیر چل گیا اور وه ایک فتنه گر حسن کي نگاه برق پاش کا مقابله نه کرسکا :

عشق ازین بسیار کرد ست و کند !

دوران جنگ میں جب جرمن فوجیں بخارسٹ (دارالحکومت رومانیا) پر قابض تهیں، تو یه شاهزاده اپني فوج کے ایک افسر کي لڑکي پر فریفته هوگیا اور اُس سے اوڈیسا میں خفیه شادي کرلي - لیکن جنگ کے بعد جب دونوں رومانیا واپس آئے تو بادشاه پر یه رشته گراں گزرا اور اسنے علحدگي کا حکم دیدیا .

ملکه اور بھي زیاده سخت تهي - عرصه تک کشمکش جاري رهي - بالاخر شهزاده کو مجبور هوجانا پڑا اور اپني بیوي کو طلاق دیدي - ایک شیر خوار بچه اُسکي گود میں تها - طلاق کے بعد مع اپنے بچے کے رومانیا سے جلا وطن کردي گئي .

اسکے بعد شاهزاده کي شادي یوناني شاهزادي هیلینا سے کردي گئي - اسوقت عام طور پر یقین کیا جاتا تها که اب ولي عهد مطمئن هوکر شاهي زندگي بسر کریگا اور یه ناگوار حادثه فراموش هوجایگا - لیکن واقعات اسکے برخلاف ثابت هوئے - چند هي دنوں بعد شاهزاده کو اپني نئي بیوي سے نفرت هوگئي اور اُس نفرت نے عشق و اُلفت کا ایک نیا محل ڈهونڈهه نکالا - ڈسمبر سنه ۱۹۲۵ کي صبح کو اچانک معلوم هوا که شاهزاده بخارسٹ سے پوشیده نکل گیا هے، اور میڈم لوپسکو نامي ایک عورت بھي اسکے ساتهه فرار هوگئي هے - شهزاده کي ایک تحریر اُسکي نشست کے کمره سے ملي - اِس میں لکها تها که میں اب ولي عهدي سے دست بردار هو جاتا هوں - جس ولي عهدي سے مجھے اپني زندگي کي ابتدائي راحت بهي نهیں مل سکتي، بهتر هے که اُسے کسي دوسرے کیلئے چهوڑ دوں !

اس واقعه نے تمام یورپ میں هلچل مچادي - ۴ - جنوري سنه ۱۹۲۶ - کو روماني پارلیمنٹ کا جلسه هوا اور اُسنے طے کیا که شهزاده کا پانچ برس کا لڑکا جو پرنس هلینا کے بطن سے هے ولي عهد مقرر کیا جاے - ساتهه هي اعلان کیا گیا که بس برس کیلئے پرنس کارل کا داخله رومانیا میں ممنوع قرار دیا جاتا هے .

پرنس پر یه کارروائي شاق گزري - اب وه اپنے ملک میں واپس آنا اور اپنا حق واپس لینا چاهتا هے - اِس صورت حال کا نتیجه یه هے که ملک دو گروهوں میں بٹ گیا هے - حلقهٔ حکومت پرنس کے خلاف هے، مگر رعایا کي اکثریت اُسکي حمایت پر تلي هوئي هے - پرنس کي مخالفت میں سب سے زیاده سرگرم خود اُسکي ماں هے - اس ملکه کي سختي اِس حد تک پهنچ گئي هے که اُسے "دل میں خنجر رکهنے والي ماں" کے لقب سے خود رومانیي پکارنے لگے هیں .

ولي عهد کي موجوده روش کي تمام ذمه داري اُسکي نئي محبوبه میڈم لوپسکو کے سر ڈالدي گئي هے - یورپ کے اخبارات اُسکے خلاف مضامین شائع کر رهے هیں - اور اُسے "خوفناک ساحره" اور "قزاق" کا لقب دیا جا رها هے - وه سال بهر تک تو خاموش رهي، لیکن اب پهلي مرتبه زبان کهولي هے - حال میں ایک انگریز اخبار نویس خاتون اس سے پیرس میں ملي تهي - اس خاتون نے اپني ملاقات کي سرگذشت حسب ذیل بیان کي هے :

"میں نے رومانیا کا تخت شاهي نهیں هلایا - نه پرنس کارل میري وجه سے تخت شاهي سے دست بردار هوا هے جیسا که دنیا نے همارے دشمنوں کے کهنے سے یقین کر رکها هے - میں نه تو ساحره هوں - نه قزاق هوں - میں محض پرنس کي ایک مخلص دوست هوں - میں پرنس کے فرائض کي راه میں کبهي روک نهیں بن سکتي"

اِن الفاظ سے مدام لوپسکو نے اپني گفتگو شروع کي :

"میں نے پرنس کارل کو تخت شاهي سے علحده نهیں کیا" میڈم نے کها "میں اُنهیں بادشاه بننے سے هرگز نهیں روکتي - میں تو محض اُنکے رنج میں شریک اور جلاوطني کي رفیق هوں - اِس سے زیاده میري کوئي حیثیت نهیں"

انگریز خاتون لکهتي هے : مدام لوپسکو پیرس کے مضافات میں مقیم هے - مکان اچها خاصه دو منزله هے - مکان کے گرد آهني احاطه هے اور اسمیں مضبوط دروازے لگے هیں - همیشه خفیه پولس کے دو آدمي نگراني کرتے هیں - پهاٹک کي کنجي ایک وفادار دربان کے پاس رهتي هے - وهي کهولتا اور بند کرتا هے .

مکان کے اندر میں نے هر چیز آرام ده اور خوشنما پائي - نرم ریشمي فرش بچها تها - جابجا نفیس کرسیاں رکهي تهیں - خوبصورت گلدستے قرینے سے میزوں پر چنے تهے - غرضکه گهر کي مجموعي هیئت صاف بتا رهي تهي که اس میں کوئي با سلیقه عورت رهتي هے .

میرے لیے دروازه کهلا - میں معترف هوں که میڈم لوپسکو کو اچانک اپنے سامنے دیکهکر میں دم بخود ره گئي - یهي وه سرخ سر والي ساحرهٔ حسن هے جسنے رومانیا کي پوري سلطنت اپني چشم و ابرو کے ایک اشاره سے هلا ڈالي ! یهي وه شهرهٔ آفاق مگر پر اسرار عورت هے جسے بهت کم آدمیوں نے دیکها هے مگر سب نے اُسکے بارے میں خیال آفریني کي هے ! اسي کي نسبت مشهور هے که اسکي جانستاں اداؤں نے مستقبل کے ایک بادشاه سے اُسکا تاج و تخت چهڑوا دیا ! میں تسلیم کرتي هوں که میں نے اسکي جو تصویر اپنے ذهن میں کهینچ رکهي تهي، وه اُس سے بالکل مختلف نکلي .

یه ایک نهایت حسین عورت هے - عمر بیس برس سے بهي کم هوگي - بال سرخ نهیں هیں جیسا که عام طور پر مشهور هوگیا هے - اُسکے بالوں کا رنگ پکے گیهوں کا رنگ هے جب ڈوبتے هوئے سورج کي زرد شعاعوں سے وه چمک دار هوجاتا هے - چهره کے گرد گهنے، ریشمیں، سنهري، بالوں کا هجوم هے - بال نهایت شاندار هیں - نئے فیشن کے خلاف اپني پوري درازي رکهتے هیں - وه عورت نهیں هے - گلاب کا نازک، تازه، شگفته، خنداں، اور دلفریب پهول هے !

اُسنے مجھے دیکھتے ہی جوش کے ساتھہ کہا "میرا نام ایلن ہے" ایلن واقعی اپنے پورے معنوں میں منظر جمال ہے - قد درمیانی ' جسم سڈول ' نہ فربہ نہ لاغر ' ہاتھہ پاؤں تناسب و اعتدال کا نمونہ - اُسکا رنگ صاف بتا رہا تھا کہ یہودی نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہوگیا ہے .

میرے خیال میں اُسکی سب سے زیادہ عجیب چیز اُسکی آنکھیں ہیں - سچ مچ کی سحر کار ' جادو بھری آنکھیں ' نہ چھوٹی نہ بڑی ' صاف اور سنہری ' دراز پلکوں کے نیچے ساکن ' لطیف ابروؤں کے سایہ میں مطمئن ' لیکن ہزاروں معانی و مطالب حسن سے لبریز !

اپنے خندۂ جانستان سے بجلیاں گراتی ہوئی میرے استقبال کو بڑھی - رسمی سلام و کلام کے بعد ایک صوفے پر بیٹھہ گئی اور بغیر کسی انتظار کے اپنی باریک ' تھندی ' مگر سنجیدہ آواز میں گفتگو شروع کردی :

"اب مجھے بے لاگ حقیقت کا اعلان کردینا چاہئے" اُسنے کہا "میں بہت دن خاموش رہی لیکن کب تک خاموشی کے ساتھہ دنیا کی تہمتیں برداشت کرتی رہوں ؟ میں نے سخت عذاب جھیلا ہے - آہ ! کیسا نا قابل تحمل عذاب ! عالمگیر انسانی تحقیر کا عذاب ! دشمنوں نے دنیا بھر میں مشہور کردیا ہے کہ میں ایک بد چلن اور آوارہ گرد عورت ہوں ! کیا میں بد چلن عورت ہوں ؟ یہ کیسی خوفناک تہمت ہے !"

اب اُسکے چہرہ پر ہلکی سی زردی چھا گئی :

"لوگوں نے سب ہی کچھہ کہا اور لکھا - وہ کون سا برا لفظ تھا جو میری نسبت نہیں لکھا گیا - کیا یہ سچ نہیں ہے ؟"

ایک لمحہ خاموشی کے بعد اُسنے پھر تقریر شروع کی :

"دشمنوں نے دنیا کو یقین دلانے کی پوری کوشش کی کہ مجھہ میں وہ تمام رذالتیں جمع ہیں جو کسی عورت میں ہوسکتی ہیں - میں ساحرہ ہوں - غارت گر ہوں - آوارہ ہوں - ہرجائی ہوں - پرنس کارل کو برباد کرنے والی ہوں - اُسکی بیوی بچے سے اُسے جدا کرنے والی ہوں - میں اُسے بھگا لائی ہوں - اُسکے خاندان میں پھوٹ ڈالنے والی ہوں - آہ ! غریب و ناتواں ایلن رومانیا کی جملہ مصائب کی تنہا ذمہ دار ہے ! جب میں اپنی انگلی یوں ہلاتی ہوں (اُسنے اپنی مخروطی انگلی اٹھاکر کہا) تو رومانیا کا قدیم شاندار تخت شاہی لرز جاتا ہے - اُلٹ کر پاش پاش ہو جاتا ہے !"

اُس نے ایک غم ناک قہقہہ مارا "بلا شبہ یہ عجیب ہے اگر ہولناک نہیں ہے" یہ کہکر وہ کرسی سے اُٹھہ کھڑی ہوئی - پھر بیٹھہ گئی اور سنجیدگی سے کہنے لگی :

"میں تمہیں حقیقت بتاتی ہوں - تم نے سنا ہوگا میں گزشتہ سال میلانو میں تھی - تمام اخباروں نے لکھہ مارا کہ پرنس کارل میرے ساتھہ بھاگ آیا ہے - حالانکہ یہ قطعاً جھوٹ تھا - اصلیت صرف اتنی ہے کہ رومانیا میں سخت سیاسی مشکلات در پیش تھیں - مصائب نے پرنس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا - اتفاقیہ میری اُس سے ملاقات ہوگئی - اُسے ایک سچے رفیق و مونس کی ضرورت تھی - اُس نے میری طرف دیکھا اور میں نے اُس کی رفاقت و ہمرہی کا فیصلہ کر لیا"

اُس نے پہلو بدلا اور کرسی اپنی انگلی سے کریدنے لگی :

"تم سمجھہ سکتی ہو" اُس نے رنجیدہ پیرایہ میں کہا "میں کیسی سخت مشکل میں پڑگئی تھی ؟ صرف یہی ایک خیال مجھے تسلی دیسکتا تھا کہ سچی دوستی کے معنی ہیں نفس کی کامل قربانی ' اور میں اپنی قربانی کرکے فرض دوستی ادا کر رہی ہوں - بلا شبہ جب کبھی میں دشمنوں کی تہمتیں سنتی تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا - لیکن پھر صبر و عزم سے کام لیتی اور سوچتی کہ یہ حالت زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی - در اصل دشمنوں کی یہ تمام شرارت اسلئے تھی کہ شاہزادہ کو ہمیشہ کے لئے ... کر دیا جائے اِس میں شک نہیں شرارت بہت دنوں تک کامیاب رہی - حتی کہ ایسا وقت بھی ہم پر گزرچکا ہے جب اِس دنیا میں ایک انسان بھی ہمارا ہمدرد نہ تھا"

"تم نے بر وقت کیوں اِن تہمتوں کی اصلیت ظاہر نہیں کردی ؟" میں نے سوال کیا .

"میں متکبر تھی" اُس نے تیزی سے جواب دیا "ہاں میں متکبر تھی - میری خودداری کو سخت ٹھیس لگی تھی - میں دنیا کو مخاطب کرنا پسند نہیں کرتی تھی - میں اس دنیا سے جو سنگ دل انسانوں سے بھری ہوئی ہے نفرت کرتی ہوں - شاید میں ہمیشہ نفرت کرتی رہوں - میں کیوں دنیا کی کمینہ تہمت تراشیوں کے جواب میں اپنے آپ کو نمایا کرتی ؟ تم خود دیکھتی ہو معاملہ بالکل صاف تھا - کسی صفائی کی ضرورت ہی نہ تھی - مجھے یقین ہے کہ میرا دامن بے داغ ہے - پھر میں اپنی صفائی کی کیوں کوشش کرتی ؟ جو آدمی اپنی صفائی کرتا ہے وہ گویا خود اپنے اوپر تہمت اوڑھہ لیتا ہے"

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولی :

"اِس تمام قصہ کی بنیاد صرف اتفاق پر ہے - بالکل اتفاقیہ طور پر پرنس سے میری ملاقات ہوگئی - میں پرنس سے دوستی کا رشتہ جوڑنے پر مجبور ہوگئی کیونکہ اُس وقت اُسے دوستی کی ضرورت تھی - میں نے کوشش کی کہ ٹھیک وہ روش اختیار کروں جو ایسے حالات میں کسی مخلص دوست کی ہو سکتی ہے - کیا ایک دوست کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ اپنی دوستی کیلئے اپنی برأت ثابت کرے ؟"

"پھر اب کیوں تم نے رائے بدل دی ؟ کیا تمہارے اور پرنس کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہوگئی ہے یا عنقریب ہونے والی ہے ؟" میں نے سوال کیا -

اُسنے شانے ہلا کر بے صبری سے جواب دیا :

"ہمارے درمیان کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہو سکتی ہے - کیونکہ ہمارا معاملہ ایسی محبت کا معاملہ نہیں ہے جو ہوا و ہوس کی محبت ہو اور جیسا کہ لوگ یقین کررہے ہیں - ہمارا علاقہ نفس انسانی کے اُن پست درجوں سے کہیں بالا تر ہے - کہا جاتا ہے کہ دوستی ' حقیقی دوستی : سورج کے نیچے نایاب ہے - اور مرد اور عورت کے درمیان تو اور زیادہ - لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ میں نے اس دنیا میں ایک انسان کے ساتھہ دوستی کی ہے - پرنس کو ایک دوست کی ضرورت تھی - میں اُسکی دوست بن گئی - اُسے ابتک دوست کی ضرورت ہے ' اِس لئے میں ابتک اُسکے ساتھہ ہوں - میں چونکہ اسکی دوست ہوں اسلئے اسکی تمام مصالح و فوائد کی بھی دوست ہوں ' اور ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہیں کرسکتی کہ اسکی خوشحالیوں کی راہ میں روک ثابت ہوں"

مدام جوش سے تقریر کررہی تھی - وہ مجھے یقین دلانا چاہتی تھی کہ پرنس اور اُسکی بیوی ہیلینا کے ملاپ اور مفاہمت کو وہ ناپسند نہیں کرتی .

وہ اچانک کرسی کی پشت سے ٹیک لگاکر بیٹھ گئی اور چھت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے لگی - مجھے سخت حیرت ہوئی کیونکہ اب اسنے ایک دلربا نازنین کی جگہ اچانک ایک حکیم اور فلسفی کا لب و لہجہ اختیار کر لیا تھا :

" دوستی اُس چیز سے بہت بلند ہے جسے محبت کہتے ہیں - دوستی سراسر قربانی اور اعتماد ہے ' مگر محبت سراسر انانیت اور خود پرستی ہے - یہی سبب ہے کہ جب میں دیکھتی ہوں لوگ ہمارے باہمی تعلق کو عشق و محبت کا تعلق بتاتے ہیں تو میرے جذبات سخت مجروح ہوجاتے ہیں - اگر ہم میں عشق ہوتا تو میں اِتنی خوش نصیب اور مطمئن نہ ہوتی جتنی اِس وقت ہوں - محبت چند ہفتے ' چند مہینے ' شاید چند برس رہتی ہو - لیکن دوستی زندگی کا ایک ابدی معاہدہ ہے - جوں جوں وقت گذرتا ہے ' اسکا جوش افسردہ نہیں پڑتا بلکہ اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے "

" اعلی خیال ہے " میں نے اسکی تصدیق کی " لیکن اب کیا ارادہ ہے ؟ آیندہ کا پروگرام کیا ہے ؟ "

مادام لوپسکو کرسی سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی - ریشمیں پردہ ھٹاکر سورج پر نظر ڈالی - پھر لوٹ آئی :

" سچ یہ ہے میں نے ابتک کچھہ بھی غور نہیں کیا ہے " اُس نے بے پروائی سے جواب دیا " در اصل کوئی پروگرام نہیں ہے - قدرتی طور پر معاملہ کا دار مدار ...... " وہ اچانک رک گئی " میں پیرس میں بہت خوش ہوں " بات ٹالنے کے لئے کہنے لگی " میری دلی تمنا ہے کہ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں - بالکل بھول جائیں - میں خاموش زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں "

یہ اُس نے سچ کہا - یہ عجیب عورت پیرس سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلہ پر مقیم ہے - مگر تین تین ہفتہ تک شہر نہیں جاتی - واقعی وہ تنہائی پسند ہے -

" میں یہاں رہنا پسند کرتی ہوں " اُس نے کہا " کیونکہ یہاں ہر طرف خاموشی ہے - موسم بہار میں یہ درخت ہرے بھرے ہو جائینگے "

میں نے اِس افواہ کے متعلق سوال کیا کہ دونوں عاشق و معشوق عنقریب سیاحی شروع کرنے والے ہیں - اُس نے جواب دیا :

" مجھے سیاحی کا شوق نہیں ہے - میرے خیال میں رومانیا دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت ملک ہے "

در حقیقت یہ نازنین حیرت انگیز جاذبیت اور کشش رکھتی ہے - کوئی شخص بھی اُس کے تاثیر جمال سے اپنی حفاظت نہیں کرسکتا - اُس کی شخصیت سادہ لیکن پورے معنوں میں موثر ہے - اِس ملاقات کے بعد مجھے کوئی تعجب نہیں اگر رومانیا کا تخت شاہی اِس عورت کے خوف سے کانپ رہا ہے !

اندلس میں اسلامی تمدن کا آخری نقش قدم

(کنیسۂ اسکوریال کے عربی آثار)

اندلس (اسپین) کے موجودہ دارالحکومت میڈرڈ سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان مسیحی **خانقاہ** " اسکوریال " کے نام سے موجود ہے جسے شاہ فلپ ثانی نے سنہ ۱۵۸۴ میں تعمیر کیا تھا - جہانتک عمارت کے طرز و قسم کا تعلق ہے ' وسعت و بزرگی کے سوا اسمیں کوئی خاص بات ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو - اندلس کے آخری مسیحی عہد کی تمام عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی تعمیری فنون لطیفہ کی تمام خوبیوں سے خالی ہے - با ایں ہمہ اسکی دلکشی میں کلام نہیں - ہمیشہ دنیا کے سیاح اور محقق اسکی زیارت کیلئے آتے رہتے ہیں اور دنیا کی مشہور عمارتوں کے سلسلے میں اِسکا نام بھی برابر لیا جاتا ہے -

یہ اسلئے ہے کہ اسی عمارت کے ایک حصہ میں اندلس کا شاہی کتب خانہ محفوظ ہے - اندلس کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام عہد کے متعلق جو کچھہ بھی موجودہ دنیا کی وراثت میں آیا ہے ' وہ اسی خانقاہ کی سنگین دیواروں کے قبضہ میں ہے ' اور اسلئے علم و تاریخ کے سراغ رسانوں کیلئے یہ مقام بھی لندن کے برٹش میوزیم ' پیرس کے قومی کتب خانے ' قاہرہ کے دارالآثار ' اور برلن کے کتب خانۂ مشرقی سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا - بلکہ بعض حالتوں میں کہیں زیادہ قیمتی ہے -

(کتب خانے کے دو حصے)

اس کتب خانے میں تقریباً **۴۵ هزار** نسخے کتابوں کے محفوظ ہیں - پرانے سکوں ' تصویروں ' نقوش ' اور مختلف قسم کی تاریخی اشیاء و نوادر کی بھی ایک کافی مقدار جمع کی گئی ہے - ایک حصہ اُن کتابوں اور تاریخی آثار کا ہے جو اندلس کے قبل از اسلام عہد سے تعلق رکھتے ہیں - دوسرا حصہ وہ ہے جسکا تعلق عہد اسلام کے آثار سے ہے - ان دونوں حصوں کی موجودگی بجائے خود تاریخ کی ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے !

پہلے حصہ میں قبل از اسلام عہد کے وہ تمام نوادر و آثار موجود ہیں جنکی اُس عہد کی تمدنی استعداد دیکھتے ہوئے توقع کی جا سکتی ہے - تورات و انجیل کا وہ نسخہ جو اسپین کے مسیحی حکمرانوں کی تلاوت کا خاص نسخہ تھا ' اپنی کامل و اصلی حالت میں موجود ہے - ایک سو سے زیادہ لاطینی زبان کی مذہبی کتابیں بھی اُس عہد کی یادگار ہیں - ایک بڑی تعداد اُن نوشتوں کی بھی ہے جو قدیم اندلسی زبان میں لکھے گئے تھے اور اندلس کے ملکی و سیاسی انقلابات انکے وجود پر کوئی مخالفت اثر نہ ڈال سکے - ایک خاص مقدار مسیحی مذهبی کتب کی یونانی زبان میں بھی ہے ' اور اس سے اُس مذہبی و علمی اقتدار کا سراغ لگتا ہے جو ازمنۂ وسطی میں

یونانی زبان کو حاصل تھا - اُس عہد کی صنعت کتابت و تزئین کے آثار بھی محفوظ ھیں - یعنی ایسی کتابیں بھی محفوظ ھیں جو مطلا و مذھب یا مصور لکھی گئی تھیں ' اور کاغذ کی جگہ ھرن کی جھلی استعمال کی گئی تھی - مذھبی اعمال و رسوم کی بعض اشیاء بھی پائی جاتی ھیں جو اسپین کے آخری مسیحی فرمانروا راڈرک کے استعمال میں آتی تھیں .

عمارت کا ایک دوسرا حصہ اندلس کے اسلامی عہد تمدن کی یادگاروں پر مشتمل ہے اسمیں تقریباً دو ہزار مجلدات عربی کتابوں کی ھونگی - کچھہ ذخیرہ تصاویر و نقوش اور صنعتی اشیاء و نوادر کا بھی ہے .

(اسکوریال کی خاموش شہادت)

لیکن کیا اندلس کے آٹھہ سو برس کے اسلامی تمدن کا صرف اتنا ھی ذخیرہ دنیا کے حصہ میں آیا تھا جو اسکوریال میں محفوظ ہے؟ اور کیا یہ ذخیرہ بھی اندلس کے دوسرے مسیحی دور کی علمی حفاظت کا نتیجہ ہے ؟

نہیں ' تاریخ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دیتی ہے .

دنیا کی تاریخ میں شاید ھی علم و تمدن کیلئے ایسے تاریک و المناک ایام آئے ھوں جیسے اسلامی حکومت کے زوال و اخراج کے بعد اندلس میں آئے - سنہ ١٤٩١ع میں جب غرناطہ کا آخری مسلمان فرمانروا ابو عبد اللہ اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ھوکر مجبور ھوگیا کہ غرناطہ دشمن کے حوالہ کر دے ' تو اُسوقت فرڈیننڈ اور اھالی غرناطہ میں ایک معاھدہ ھوا تھا - اسمیں ٦٧ شرطیں تھیں جو آجتک صفحات تاریخ پر ثبت ھیں - ان شرطوں میں بعض شرائط اسلامی مدرسوں اور کتب خانوں کے بارے میں بھی تھیں - جس طرح فرڈیننڈ نے مسلمانوں کی مذھبی آزادی اور شہری و مدنی حقوق کے احترام کا عہد کیا تھا ' اُسی طرح اس بات کا بھی عہد کیا تھا کہ تمام اسلامی مدرسے قائم رکھے جائینگے ' اور اسلامی کتب خانے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کئے جائینگے - لیکن اس معاھدہ اور اسکی ٦٧ شرطوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ مشہور مورخ لاوس اور رامبو کے لفظوں میں یہ نکلا کہ " دنیا میں شاید ھی کسی انسانی گروہ نے انسانوں کے قتل ' آبادیوں کی ویرانی ' علم و مدنیۃ کی بربادی ' اور وحشت و بربریۃ کی اشاعت میں ایسی مجنونانہ بیتابی دکھلائی ھوگی جیسی کہ اسپین کے عام برادران مسیحیت نے دکھلائی - پچاس برس کے اندر نہ صرف مسلمانوں سے ' بلکہ علم و مدنیۃ کی تمام علامتوں اور نشانیوں سے پورا جزیرہ نماے اندلس صاف کر دیا گیا " !

اسپین میں علوم و کتب کی موجودگی اسلامی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ' لیکن جب مسیحی حکومت کا علم لہرانے لگتا تو اسکا پہلا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدرسوں کی عمارتیں منہدم ھوجاتیں اور کتابوں کے انبار آگ کے حوالے کردیے جاتے - کامل ڈیڑھ سو برس تک (جو اندلس میں اسلامی حکومت کے زوال اور مسیحی اقتدار کے عروج کا زمانہ ہے) اسکا سلسلہ جاری رھا - جب کسی شہر سے عرب خارج کئے جاتے ' تو فاتح جماعت کا پہلا کام یہ ھوتا کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھکر کتابیں جمع کی جاتیں اور آگ کے حوالے کردی جاتیں - آخری کتب خانہ جو جلایا گیا ' وہ غرناطہ کا شاھی کتب خانہ تھا جسکی حفاظت کا خصوصیت کے ساتھہ فرڈیننڈ نے معاھدۂ تسلیم میں عہد کیا تھا - مورخین یورپ نے اس کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد اسی ہزار سے ایک لاکھہ تک بیان کی ہے - تاریخ کے جس انسان کو اتنے بڑے ذخیرۂ علم و مدنیۃ کے ضائع کردینے کی لازوال شہرت حاصل ھوئی ' وہ تاریخ اسپین کا مشہور کارڈنیل فرانسسکو زی مینس Cordinal Francisco Ximens ہے .

کارڈنیل مذکور کو اسپین کی تاریخ میں وھی درجہ حاصل ہے جو ایک دوسرے کارڈینل ریشیلیو Richelieu کو فرانس کی تاریخ میں حاصل ھوا ہے - دونوں مذھبی حلقہ سے نکلکر حکومت و فرمانروائی کے حلقہ میں آئے ' اور ترقی کرتے کرتے نائب السلطنت کے عہدہ تک پہنچ گئے - یہی وجہ ہے کہ مورخین نے دونوں شخصیتوں کا مقابلہ کیا ہے اور انکے خصائص پر بحثیں کی ھیں - زمانہ حال کے بعض مورخوں نے زی مینس کو ریشیلیو پر ترجیح دی ہے ' کیونکہ وہ آخر الذکر سے کہیں زیادہ علم و فن کا شائق تھا - وہ کہتے ھیں کہ اُسی کی کوشش سے اسپین کی پہلی یونیورسٹی وجود میں آئی جو الکالا Alcala میں قائم ھوئی تھی اور جسکی نسبت فرانسس اول نے کہا تھا " تمہارے زی مینس نے تنہا وہ کام کیا جو فرانس میں پندرہ بادشاھوں کی ایک پوری صف کرسکی ہے " اور پھر یہ اُسی کی محنت و توجہ کا نتیجہ تھا کہ سنہ ١٥١٧ع میں کتب مقدسہ کی مختلف زبانوں کا ایک مکمل ایڈیشن مع ضمیموں اور تشریحات کے چھہ جلدوں میں چھپکر شائع ھوا .

تاھم مذھبی تعصب و جنون کی یہ کیسی عجیب مثال ہے کہ سنہ ١٤٩٩ میں یہی کارڈنیل جو یونیورسٹی کا موسس اور فن طباعت کا قدردان ہے ' ایک دوسرے مقدس آدمی فرڈیننڈ ڈی ٹالاویرا Ferdinand de Talavera کے ساتھہ ملکر یہ فتوی صادر کرتا ہے کہ غرناطہ کا شاھی کتب خانہ جلا دیا جائے ' کیونکہ خود اسی بانی دار العلوم کے لفظوں میں " اسکی کتابیں انجیل کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں " !

مشہور مورخ کانڈی Conde کہتا ہے .

" ان اسی ہزار کتابوں کے علمی مطالب کی قدر و قیمت بجاے خود رھی ' ان میں سے ھر کتاب کی جلد اس درجہ بیش قیمت اور عجیب و غریب صنعتوں سے بنی ھوئی تھی کہ لوگوں کے جلتے ھوئے ڈھیروں میں سے جلدوں کے بچے کچے ٹکڑے اٹھا لیے جو سونے چاندی اور بیش قیمت رنگوں کی بڑی مقدار حاصل کرلیں " !

یہ معاملہ یہیں تک پہنچکر ختم نہیں ھوگیا - شاھی کتب خانہ جلا دینے کے بعد محکمہ تفتیش مقدس Inquisition کے اپنے عمال شہر میں بھیجے تاکہ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لیں اور جہاں کہیں جس قدر کتابیں ملیں ضبط کرلی جائیں - مشہور ولندیزی مستشرق پروفیسر ڈوزی Dozy کی تاریخ مسلمانان اندلس Histoire des Musalmans d' Espagne کی شہادت کے مطابق یہ ذخیرہ بھی شاھی کتب خانہ کے ذخیرہ سے کچھ کم نہ تھا .

کتب خانۂ اسکندریہ کے جلائے کی کہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ کتابیں چھہ مہینے تک شہر کے حماموں میں ایندھن کی جگہ جلتی رھی تھیں - افسانہ میں کتابیں چھہ ماہ تک جل سکتی ھیں - لیکن کسی واقعہ میں آگ کا عمل اتنا کمزور نہیں ھوسکتا کہ چھہ ماہ تک کتابوں کو مہلت زندگی دیدے - غرناطہ کا حادثہ افسانہ نہیں ہے واقعہ ہے - اس لئے جو کچھہ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ " کامل سات دن تک کتابوں کے ڈھیر جلتے رہے تھے " !

ان حالات کے بعد ظاھر ہے کہ اندلس کے اسلامی تمدن کا کوئی علمی ذخیرہ ایسا باقی نہیں رھا تھا جو موجودہ دنیا تک پہنچ سکتا .

ایک مدت کے بعد جب اسپین کو مذہبی تعصب کے جنون سے نجات ملی تو عہد اسلامی کے ذخیرۂ علم و تمدن کی جستجو شروع ہوئی۔ لیکن اب قرطبہ اور غرناطہ کے کھنڈروں [illegible] جستجو کا [illegible] ؟

[illegible] پشیمان کا پشیمان ہونا !

لیکن اتفاق سے [illegible] ایام میں ایک حادثہ ایسا پیش آیا جسے اسپین [illegible] عربی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہوگیا۔ سترہویں صدی کے آغاز میں [illegible] دو جنگی جہاز بحر متوسط میں مشغول جنگ ہو [illegible] [illegible] سال سے [illegible] جو مولائی زیدان صاحب مراکش اپنے نادر کتابوں کے ذخیرے لے جا رہے تھے۔ اسپینی جہازوں نے وہ جہاز گرفتار کر لئے اور اپنے ساتھ اسپین لے گئے۔ اس وقت اسپین کی مذہبی دہشت بدل چکی تھی۔ اسلئے یہ ذخیرہ آگ کے حوالے نہیں کیا گیا، خانقاہ اسکوریال میں رکھدیا گیا۔ موجودہ کتابیں اسی ذخیرہ کا ایک حصہ ہیں۔ پروفیسر ہارٹوِگ ڈرنبرگ Hartiwig Derenbourg نے کتب خانۂ اسکوریال کی عربی مخطوطات پر ایک مفید کتاب Les Manuscrits de L' Escurial لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ذخیرہ اگرچہ اندلس کا ذخیرہ نہ تھا۔ مولائی زیدان کی کتابیں تھیں جو اسنے غالباً بلاد مصر و شام سے منگوائی تھیں۔ تاہم اگر یہ کتابیں بھی پوری محفوظ رہتیں تو عربی علوم کے نوادر کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہوتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے اخراج کے بعد اندلس کی قسمت میں علم و تہذیب کی دائمی بربادی ہی آئی تھی۔ جب مذہبی جنون نے کتابوں کا جلانا ضروری نہ سمجھا تو حوادث و ایام نے یہی عمل شروع کر دیا۔ اس ذخیرہ کے اسکوریال میں رکھنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد یکایک وہاں آگ لگ گئی، اور دیگر اشیاء و نوادر کے ساتھ عربی ذخیرۂ کتب کا بھی ایک بڑا حصہ جل گیا۔ اب جسقدر ذخیرہ موجود ہے "یہ وہ ہے جو اس آتش زدگی سے کسی طرح بچ رہا تھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دو ہزار کتابیں ہونگی۔ مشہور اسپینی مستشرق اف کوڈیرا F. Codera نے بھی (جنہوں نے اسی کتب خانے سے ابن بشکوال کی کتاب الصلہ رخیرہ حاصل کر کے شائع کی ہے) قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے۔

(تاریخ کی صدائے عبرت)

کتب خانے کے ان دونوں حصوں کی موجودگی سے تاریخ کی ایک درد انگیز صدائے عبرت پیدا ہوتی ہے جو ہر ناظر و وارد کو سنائی دیتی ہے۔

پہلے حصے میں اندلس کے قبل از اسلام عہد کا تمام ذخیرۂ کتب و آثار موجود ہے۔ حتی کہ [illegible] انجیل بھی موجود ہے جسکی سلاطین اسپین تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان اشیا کی موجودگی اس حقیقت کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ عربوں نے فتح اندلس کے بعد جسقدر

[illegible] کی آخری تصویر [illegible]

بھی ذخیرۂ علم و آثار کا پایا، سب کا [illegible] و [illegible] کی [illegible] سمجھکر محفوظ رکھا اور [illegible] صدیوں تک اسکی حفاظت کرتے رہے۔ یہانتک کہ جب انقلابات زمانہ کے [illegible] جلاوطنی پر مجبور ہوئے تو [illegible] اس امانت [illegible] میں خدانت [illegible] یہ پورا ذخیرہ [illegible] جسطرح [illegible] سے [illegible] صدیوں تک [illegible] مسیحی جنوں [illegible] [illegible] مسلمانوں کے سامنے [illegible] رہا جو [illegible] [illegible] [illegible] مسلمانوں سے [illegible] [illegible] میں ضائع ہونے کا [illegible] سرزمین اندلس کے [illegible] [illegible] اندلس کے اسلامی عہد میں [illegible] [illegible] جب [illegible] مذہب کی [illegible] نظری اور [illegible] سے علوم جدیدہ کی [illegible] ضائع ہوئیں یا ضائع ہونی چاہئیں جیسا کہ ابن رشد کے زمانے میں ہوا [illegible] تاہم یہ جو [illegible] بھی ہوا، خود مسلمانوں کے اندر ہوا۔ اندلس کا مسیحی ذخیرہ ہمیشہ محفوظ رہا۔ اندلس کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی [illegible] [illegible] تنگ نظر بادشاہ نے کبھی مسیحی خانقاہوں کا علمی ذخیرہ تاراج کیا ہو۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو آج اندلس کے [illegible] عہد کی ایک چیز بھی اسکوریال میں موجود نہ ہوتی۔

لیکن اسکے مقابلہ میں کتب خانے کے دوسرے حصہ کی [illegible] ہے؟ یہ ہے کہ ایک ایسے عظیم و وسیع تمدن کا جسکی دوسری مثال اُس عہد کی تاریخ میں موجود نہیں، تمام ذخیرۂ علم [illegible] انتہائی وحشت و جنون کے ساتھ ضائع کردیا گیا، اور اب جو [illegible] بھی موجود ہے، اندلس کا نہیں ہے [illegible] مراکش کے ایک [illegible] فرمانروا کے علمی ذوق کی بچی کھچی پونجی ہے!

اگر "اسلامی" اور "مسیحی" [illegible] [illegible] سکتی ہے تو اس مقصد کی [illegible] [illegible] [illegible] اسکوریال کے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ([illegible])

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کے بعد [illegible] سے جمع کی گئی ہیں۔ اس ذخیرہ میں جو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱ غرناطہ کے آخری فرمانروا ابو عبداللہ کی تصویر جو [illegible] کے [illegible] سے طیار کی گئی تھی۔

(۲) اُس منظرہ موقع جب ابو عبداللہ معاہدۂ تسلیم کے بعد غرناطہ سے

ابو عبداللہ کی ایک مزرکش قبا

کیا ہے اور شہر و محل کی کنجیاں فرڈی نینڈ اور ازابلا کے حوالے کردیتا ہے ۔

(۳) ابو عبداللہ کی تلوار اور ڈھال ۔

(۴) ابو عبداللہ کی ایک ریشمین اور مزرکش قبا ۔

غرناطہ کے قاصدوں کی مجلس

(۵) قرآن رکھنے کی ایک طلائی رحل جو سلاطین موحدین کی خیال کی جاتی ہے ۔

(۶) ایک قدیم تاریخی مرقع جس میں غرناطہ کے اسلامی دار القضاء کا منظر دکھلایا گیا ہے اور جو قصرالحمراء کی ایک دیوار کے مرقع سے نقل لیا گیا ہے ۔

(۷) "اے ری روس دی گریت" یعنی قاضی ابن رشد اعظم کی تصویر جو اس سنگی بت کی نقل ہے جو اس کے بعض یہودی شاگردوں نے طیار کیا تھا ۔

(۸) اندلس کے عرب جنگ آزماؤں کا ایک منظر ۔

(۹) غرناطہ کے محل شاہی کی طلائی کنجیاں جو عبداللہ نے فرڈی نینڈ کے حوالے کی تھیں ۔

(۱۰) الحمراء کے ایک سنگی بت کی نقل جسکی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی عہد وسطی کے ایک مسلمان فرمانروا کی شبیہ ہے ۔

(پروفیسر امیلیو کی منتخبات)

ہم پروفیسر ایم امیلیو (M. Emilio) کے نہایت شکرگزار ہیں کہ انہوں نے الہلال میں شائع کرنے کیلئے کتب خانۂ اسکوریال کے آثار و نوادر کے عکسی فوٹو اور ضروری تشریحات بھیج دی ہیں - پروفیسر موصوف اسپین کے مستشرقوں میں اپنے ذوق علم اور مستعدی تصنیف کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور متعدد کتابیں عربی علوم و آثار پر مرتب کرچکے ہیں - ہم وقتاً فوقتاً انکی فراہم کردہ معلومات الہلال کے صفحات پر شائع کرتے رہینگے - آج اس سلسلہ میں اسکوریال کے چار آثار ہدیۂ ناظرین ہیں :

(۱) سب سے پہلا منظر اسلامی اندلس کی آخری نگاہ تودیع ہے - یہ غرناطہ کا آخری فرمانروا ابو عبداللہ ہے جو سنہ ۸۹۷ ہجری میں اندلس سے خارج کیا گیا - اسکے اخراج پر یورپ کے ہشت صد سالہ عربی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا - تمام مورخین عرب و فرنگ متفق ہیں کہ یہ نہایت کمزور دل و دماغ کا انسان تھا - اسکا ارادہ پست ، دماغ وہمی ، اور طبیعت عیش پسند واقع ہوئی تھی - وہ اپنی نسل کا ویسا ہی کمزور انسان تھا جیسا نسل عباسی کا آخری فرمانروا المعتصم باللہ یا نسل تیموری کا آخری نام لیوا بہادر شاہ تھا - لیکن تاریخ ان شخصیتوں کو انکی شخصیتوں میں نہیں دیکھتی - انکے زوال میں ایک پورے عہد و ایام کا زوال اسکے سامنے آجاتا ہے - ابو عبداللہ اپنی ذات سے کتنا ہی برا ہو ، لیکن وہ سر زمین یورپ میں اسلامی و عربی تمدن کا آخری نقش قدم تھا - اسکے مٹنے سے صرف اسکی شخصیت ہی نہیں مٹ گئی - بلکہ اسلام کا ہشت صد سالہ دانش تمدن و عظمت بھی مٹ گئی !

ہمارے خود بینی ہم کو روتے الحمرا کے اپنے ہاتھ سے ... !

یہ ... خاندان بھی مصر کے آخری فرمانروا کی ... اسی ... و خط کے پیچھے تاریخ عرب کی عظمت رفتہ کا ایک طویل طویل سلسلہ دیکھا جاسکتا ہے - اگر ممکن ہو تو ہم اپنے اقبال رفتہ کا ایک مرقع مرتب کرتے اور اسمیں بغداد سے معتصم ، اندلس سے ابو عبداللہ اور دہلی مرحوم سے بہادر شاہ ... نظر حسرت ڈال لینے اور ... چھوڑ دینے کیلئے ایک سامان عبرت ... - یہ تینوں شخصیتیں دراصل ہماری عظمت ماضی کے تین افسانے ہیں

وہ دن فلس ... ملک واحد

و ... قوم ... !!

(۲) دوسرا مرقع اسی محضر حسرت کا ایک دوسرا نوشتہ ہے - یہ ابو عبداللہ کی ایک ریشمی اور مزرکش قبا ہے جو اس وقت تک اپنی اصلی حالت و شکل میں محفوظ ہے - اس سے نہ صرف اس عہد کے وضع و قطع لباس کا ایک شاہی نمونہ معرض علم میں آجاتا ہے ، بلکہ اسلامی اندلس کی مختلف صناعیوں کا بھی پورا سراغ لگتا ہے - کپڑے کی بناوٹ ، اسکی خوشنمائی ، اور تار ریشم کی ... کے مشجر اور گل بوٹے جن سے اسکا حاشیہ اور دامن مزین ہے ، اس درجہ قیمتی اور صنعت گرانہ ہیں کہ بعض اہل نظر نے صرف اس قبا سے مستنبط صنائع پر ایک پوری تحریر لکھی ہے ۔

(۳) تیسرا منظر ایک مرقع ہے جسمیں غرناطہ کے قاصدوں کی ایک مجلس دکھلائی گئی ہے - مرقع کے نیچے جو عبارت درج ہے ، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرقع مشہور قصر "الحمراء" کی ایک دیوار پر منقش تھا - سولہویں صدی کے وسط میں ایک مصور نے اس سے یہ نقل طیار کی - اس مرقع کی ہر تصویر فن مصوری کے لحاظ سے اس درجہ صحیح اور باقاعدہ ہے کہ موجودہ زمانہ بھی بمشکل کوئی نقص نکال سکتا ہے - الحمراء کی دوسری تصویروں کی طرح یہ مرقع بھی اندلس کے عربی عہد کی ان ترقیات پر گواہ ہے جو فن مصوری کی اعلی اقسام میں اسے حاصل تھیں - تاریخی قدر و قیمت کا پہلو یہ ہے کہ اس عہد کے شرفاء و علماء کی وضع قطع اور طریق لباس و نشست کا ایسا واضح منظر سامنے آجاتا ہے جسکا کسی دوسرے ذریعہ سے علم ممکن نہیں ۔

(۴) چوتھا منظر عربی فوج کی ایک جماعت کا منظر ہے جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ قرون وسطی میں کسی صناع نے طیار کیا تھا اور ان عرب سپاہیوں کا ایک منظر دکھانا چاہتا تھا جنہوں نے فرانس پر فوج کشی کی تھی - اس سے عربی فوج کی وضع و قطع اور آلات و اسلحہ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے ۔

عربی فوج کا ایک منظر جسنے فرانس پر حملہ کیا تھا

عالم شرق و اسلام

شام کی حرکت استقلال

فرانسیسی مظالم کے چند خونیں مناظر

الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیروت کے قلم سے

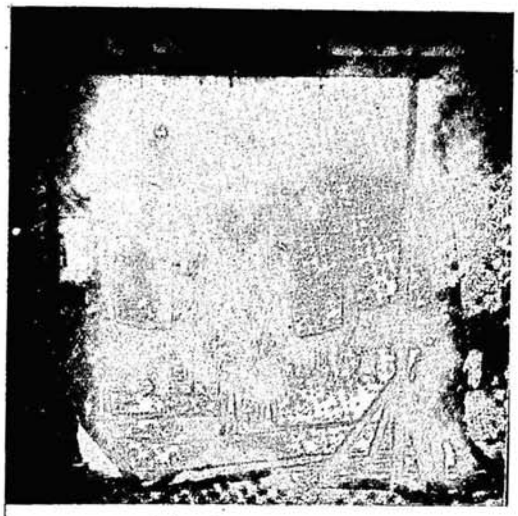

شام کی حرکت استقلال پر کامل بیس مہینے گذر چکے - اِن بیس مہینوں کے اندر اسکے فرزندوں کا خون جس بے دردی کے ساتھ بہایا گیا ہے ' اور خود انہوں نے بھی جس بے پروائی کے ساتھ اپنا خون بہنے دیا ہے ' وہ ایک ایسی سرگزشت ہے جو ظلم و مظلومی سے ' و استبداد کی تاریخ میں ایک بڑے ہی دردانگیز داستان کا اضافہ کرتی ہے !

میں آج آپ کو چند تصاویر بھیجتا ہوں - فرانسیسی حکومت نے محکمہ ڈاک اور تار پر جیسا جابرانہ احتساب قائم رکھا ہے ' اسے دیکھتے ہوئے امید نہیں کہ یہ بسلامت پہنچ سکیں - لیکن اگر پہنچ گئیں تو کم از کم ایک لمحہ کے لئے آپ ان قتیلان حریت و استقلال کی یاد سے اپنا دل و دماغ غمگین کر سکینگے جنہیں بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں یورپ کی سب سے بڑی متمدن قوم نے علانیہ قتل کیا ہے ' اور صرف اسلیے قتل کیا ہے کہ اپنے وطن عزیز کی غارتگریوں پر دل دردمند اور زبان ماتم سرا رکھتے تھے !

فرانس ' " انقلاب فرانس " کے مبادی حریت و استقلال کا فرانس ' بے شمار انسانوں کا علانیہ قتل جائز رکھتا ہے - اسلیے کہ وہ اپنے وطن کیلیے حق اور استقلال کا لفظ بولنے کی جرأت کرتے ہیں !

ان تصویروں میں پہلا منظر دو شہیدان وطن کی نعشوں کا ہے جنہیں دمشق کے میدان مرجہ (ساحة المرجة) میں پھانسی دی گئی تھی اور پھانسی کے بعد انکی نعشیں چھوڑ دی گئی تھیں تاکہ دو دن تک لٹکتی رہیں ' اور تمام باشندگان دمشق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جرم وطن پرستی کی سزا اس دنیا میں کیا ہے ؟ ان میں پہلی نعش جسکے سر پر طربوش ہے شیخ احمد خیاط کی ہے - یہ مشہور شامی زعیم حرکة سعید عکاش کا عزیز تھا - دوسری نعش جسکے سر پر عمامہ ہے شیخ عبد العزیز سلامی کی ہے - یہ اطراف دمشق کے ایک دروزی قبیلہ کے شیخ تھے .

ان دونوں شہیدان وطن کا جرم کیا تھا ؟ یہ تھا کہ ۱۲ مئی سنہ ۲۶ کو دروازۂ دمشق کے سامنے دروزی قبائل کی ایک جانفروش جماعت نے فرانسیسی فوج کو سخت ہزیمت دی تھی ' اور اس ہزیمت کی ذلت مٹانے کیلئے اس مہذب قوم کو ضرورت تھی کہ چند بے گناہ انسانوں کا خون بہاکر اپنے دل انتقام پرست کو تسکین دے - چنانچہ بہت سے آدمی گرفتار کئے گئے اور انمیں سے شیخ خیاط اور شیخ سلامی کو فوراً پھانسی پر چڑھا دیا گیا - ان کا جرم یہ قرار دیا گیا کہ یہ شیخ سعید عکاش کے دوستوں میں سے ہیں جسکا گروہ دمشق سے باہر فرانسیسی فوجوں کو پے در پے شکستیں دیرہا ہے - جب انسے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ عکاش کے دوستوں میں نہیں ہیں ؟ تو ان دونوں سرفروشان حق نے بے تامل جواب دیا " شام کا کون ایسا بے عزت انسان ہوسکتا ہے جو عکاش جیسے بہادر اور جانفروش وطن کی دوستی سے انکار کرے ؟ "

دوسرے موقع میں بھی ایک نعش سولی پر لٹک رہی ہے ' یہ بھی ایک وطن پرست غیور کی ہے جسے "باغیوں" میں شمار کیا گیا - اسکا نام احمد دباغ تھا اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے فرانسیسی فوج کی خدمت و اعانت سے انکار کردیا تھا - اگر آپ تصویر کو غور سے دیکھینگے ' تو نعش کے سینے پر کچھ حروف لکھے نظر آئینگے - در اصل یہ ایک کاغذ ہے جو پھانسی دیدینے کے بعد ہر نعش کے سینے پر چسپاں کر دیا جاتا ہے اور اسپر " مجرم " کے جرم کی نوعیت اور مقدار لکھدی جاتی ہے - جب تک نعش لٹکتی رہتی ہے یہ کاغذ بھی چسپاں رہتا ہے تاکہ جب کبھی کسی شخص کی نظر پڑجائے تو وہ اسکا جرم و گناہ معلوم کرلے . کونسا جرم ؟ کونسا گناہ ؟ حقوق وطن کی حفاظت کا جرم ! اور حقوق ملت کے احترام کا گناہ ! اس سے بڑھکر آج یورپ کی عدالت میں مشرق کا کوئی جرم نہیں ہے :

فمن شاء فلينظر الى فمنظري
نذير الى من ظن ان الهوى سهل

اکتوبر سنہ ۲۵ سے لیکر اسوقت تک جتنے آدمیوں کو پھانسی کے ذریعہ قتل کی سزا دی گئی ہے ' انکی تعداد سینکڑوں سے کسی طرح کم نہوگی . - صرف دمشق کے میدان مرجہ میں ستر سے زیادہ آدمی سولی کے تختے پر کھڑے ہوچکے ہیں - انمیں سے چند سولیوں کی تصویر لینے کا ایک مقامی عکاس کو موقعہ ملگیا تھا : بعض ذرائع سے انکی نقلیں مجھہ تک پہنچ گئیں - اگر آپکے ذریعہ یہ مناظر شائع ہوسکے تو ممکن ہے برادران هند کی آنکھیں چند قطرات اشک بہانے میں بخل نہ کریں - ان جانبازان عشق وطن کیلئے آنسوؤں کے یہ چند قطرے بھی بہت قیمتی ہونگے - کیونکہ انکی قربانیاں اسوقت تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں ' اور ابھی مورخ کے حسنات سرا قلم کا ابھی مدتوں انتظار کرنا ہے .

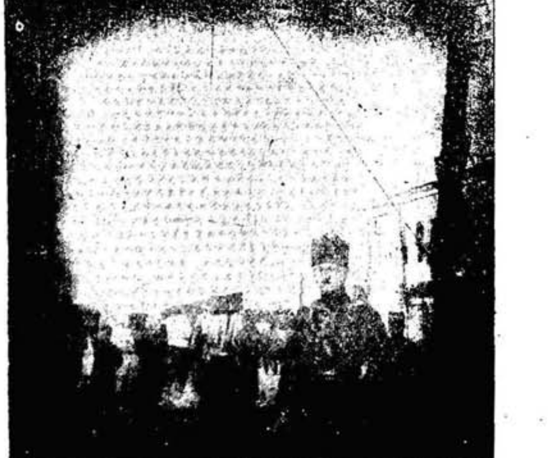

مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

بہ بدمستی سزد گر تہمت سازد مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیشا بود ارد!

یہ عجیب بات ہو کہ ہندوستان میں جو زمانہ سب سے زیادہ باہر کے اسلامی معاملات کے انہماک کا زمانہ تھا۔ یعنی حرکت خلافت کا زمانہ، اُسوقت کسی شخص کو بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ باہر کے اسلامی معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا ہندوستانی قومیت کے نقطۂ خیال سے کہاں تک موزوں ہوسکتا ہو؟ یا یہ کہ نام نہاد پان اسلامیزم اور ہندوستانی نیشنلزم دو متضاد جذبے ہیں جو بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ اُسوقت بھی ایک گروہ حرکت خلافت کا مخالف تھا، لیکن اُس میں ہندو مسلمان دونوں تھے، اور اُس کی مخالفت بھی اس بنا پر نہ تھی کہ یہ معاملہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کا ہو، بلکہ اس لئے تھی کہ وہ اس قدر دُور تک جانا پسند نہیں کرتا تھا جس قدر دور یہ حرکت جانا چاہتی تھی۔ مطالبات خلافت پر موقوف نہیں، خود ہندوستان کے سیاسی مطالب کے لئے بھی وہ اس طریق عمل سے متفق نہ تھا۔

لیکن جونہی ۱۹۲۲ء میں حرکت کی سرگرمیاں رکیں اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے فوراً طرح طرح کی بحثیں اور کاوشیں شروع ہوگئیں۔ اب ہر شخص سوچنے لگا کہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کے معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا کہاں تک قومیت و وطنیت کے جذبات کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ مسئلہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مسلمانوں سے گزر کر اسلام کی تعلیم تک پہنچ گیا۔ اب سیکڑوں دماغ و قلم ہیں جنھیں اس سوال کی بحث و کاوش سے فرصت نہیں ملتی کہ اسلام کی دینی تعلیم کی روح قومیت کے موافق ہو یا مخالف؟

یہ حالت بظاہر کتنی ہی عجیب معلوم ہوتی ہو مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہو۔ علم الاجتماع کے مطالعہ کرنے والے ایسے ہی احوال و تغیرات میں جماعت کے ذہنی قوانین کی جستجو کیا کرتے ہیں۔ جب آدمی بیکار ہوتا ہو تو ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتا ہو۔ مشغول آدمی کو زیادہ خیال آرائیوں کی مُہلت ہی نہیں ملتی۔ یہی حال جماعتوں اور قوموں کا بھی ہو۔ جسوقت تک وہ عملی زندگی میں مشغول رہتی ہیں، ذہن و فکر کو ضرورت سے زیادہ دقیقہ سنجیوں کی مُہلت ہی نہیں ملتی۔ لیکن جونہی ہاتھ پاؤں بیکار ہوجاتے ہیں، ذہن و خیال اُبھر آتا ہو اور اپنی کارستانیاں شروع کردیتا ہو۔ پہلے ارادہ کی ساری قوت عمل میں مشغول تھی۔ اب عمل کی جگہ تخیل کے لئے وقف ہوجاتی ہو۔ پہلے کسی کو ذہنی بلند پروازیوں کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اب جس کسی کو دیکھو غیر ضروری بحثوں، بے محل کاوشوں، فرضی صورتوں، تخمینی سوالوں، بے قید تخیلات، اور مطلق العنان اوہام و ظنون سے سرگراں ہوجاتا ہو!

ذہن و عمل کے قوا کا یہی عدم توازن ہو جس سے جماعتوں کی زندگی میں عملی استعداد کی افسردگی اور تعطل کی بنیاد پڑتی ہو، اور بعض اوقات یہ علت یہاں تک بڑھ جاتی ہو کہ عمل کی استعداد بالکل مفقود ہوجاتی ہو۔ یا اس درجہ کمزور پڑجاتی ہو کہ کوئی نمایاں اور عظیم قدم نہیں اُٹھایا جاسکتا۔

ہر قوم کی تاریخ میں اس حالت کی مثالیں ڈھونڈھی جاسکتی ہیں۔ قومی عروج کے زمانے پر نظر ڈالوگے تو وہ سراپا عمل نظر آئے گا، لیکن تنزل کا عہد دیکھوگے تو عمل کی جگہ تخیل کی فرمانروائی ہوگی۔ پہلی حالت میں تخیل محدود مگر قدم بے روک ہوتا ہو۔ دوسری حالت میں قدم رُک جاتا ہو مگر خیال آسماں پیمائیاں شروع کردیتا ہو۔ عربوں نے جب روم اور ایران کے تخت اُلٹ دیئے تھے تو اُن کی سادگی فکر کا یہ حال تھا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں وہم و گمان کا دخل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب قضاء و قدر اور جبر و اختیار کی گتھی سلجھانے کے لئے اُنھوں نے پچاس سے زیادہ مذہب گڑھ لئے، تو وحشی تاتاریوں کے جولانِ قدم سے اُن کے تمام دارالخلافے پامال ہورہے تھے!

آج بھی یورپ کی قوموں میں اس کی مثالیں صاف نظر آرہی ہیں۔ اینگلو سکسن نسل کے مقابلے میں فرانسیسی قوم زیادہ ذہنی اور تخیل پسند ہو، اور اس لئے کسی طرح بھی اپنا روز افزوں تنزل روکنے پر قادر نہیں ہو۔

۱۹۲۰ء میں حالات کی تیزی نے ذہن و تخیل کو زیادہ بے لگام ہونے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ مہاتما گاندھی نے مسئلہ خلافت کو محض اُس کی سادہ اور عملی شکل میں دیکھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے اس سے زیادہ سوچنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ مسلمانوں کا مطالبہ حق و انصاف کے خلاف نہیں ہو، اور اگر ہندوؤں نے اُن کا ساتھ دیا تو اس سے دونوں کے دل زیادہ قریب و متحد ہوجائیں گے۔ در اصل ملک کو اُس کی موجودہ منزل حیات میں اس سے زیادہ کاوش کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ اُٹھے، اور قبل اس کے کہ ذہن و خیال کو چون و چرا کی مُہلت ملے، کام شروع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند مہینوں کے اندر ایک عام حرکت ظہور میں آگئی۔ مطالبۂ خلافت ہندو مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن گیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں ہندوؤں نے اسمیں ویسی ہی گہری اور بے ریا دلچسپی ظاہر کی جیسی خود مسلمان ظاہر کررہے تھے، بلکہ کہا جاسکتا ہو کہ بعض حالتوں میں خود مسلمانوں سے بھی آگے قدم پیش پیش تھے۔

لیکن جب عملی مشغولیت کا دَور ختم ہوگیا تو ردِّ فعل کا عمل در آمد شروع ہوگیا۔ وہی چیز جو چند دن پہلے ملک کا سب سے زیادہ مقبول عمل تھی، اب ایک مشتبہ اور بحث طلب چیز بن گئی، اور فکر و خیال نے طرح طرح کی کاوشیں شروع کردیں۔ جسوقت ہزاروں کی تعداد میں لوگ قید خانے جارہے تھے تاکہ ٹرکی کے ساتھ انصاف کیا جائے، اُسوقت کسی کو بھی یہ بات نہ سوجھی کہ اس مطالبہ کا اس درجہ انہماک ہندوستانی قومیت کے ساتھ میل کھاتا ہو یا نہیں؟ لیکن اب ہر شخص اسی خیال سے متفکر ہو، اور کوئی قلم و زبان نہیں جس پر یہ سوال طاری نہ ہو!

ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو نکتہ چینی کے رنگ میں اس مسئلہ پر بحث کررہے ہیں، دوسری طرف مسلمان اہل قلم ہیں، اور چونکہ خود انکے سامنے بھی کوئی صاف اور واضح حقیقت نہیں ہو، اس لئے کچھ عجیب طرح کے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے الہلال کے پچھلے صفحات پر قلم کی بحثیں دیکھی تھیں کہ اسلام کی وسعت نظر، وطنیت کی تنگ نظری کی متحمل نہیں، چونکہ بات کے محل موقعہ پر ان کی نظر نہیں ہو، اس لئے وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام "نیشنلزم" کا مخالف ہو اور کسی مسلمان کو "نیشنلسٹ" نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمانان ہند کی سیاسی بے حسی سے سخت نالاں ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ باہر کے اسلامی مسائل کے لئے اُن میں جس قدر دلچسپی پیدا ہوئی ہے اُس قدر خود اپنے ملک کے لئے نہیں ہوتی تو وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی وسعت تعلق و احساس ہی اس صورت حال کے لئے ذمہ دار ہو، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اب اسے خیر باد کہہ دینا چاہئے۔

حالانکہ نہ تو اسلام کی وسعتِ نظر کے یہ معنی ہیں کہ وہ قومیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ نہ قومیت کے لئے اس بات کی ضرورت ہو کہ خواہ مخواہ اسلامی اُخوت کا دائرہ تنگ کیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط میں داخل ہیں، اور ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی حقیقت اطراف میں نہیں بلکہ وسط میں ڈھونڈھنی چاہئے۔

وہ "وسط" کیا ہو؟

اس تحریر سے مقصود اُسی کی جستجو و تحقیق ہو۔ چونکہ مسئلہ کے اطراف وسیع ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ انھیں چند حصوں میں منقسم کردیا جائے۔ آج پہلا حصہ ہدیۂ ناظرین ہو۔

۱

حیاۃ اجتماعیہ اور اس کا سلسلۂ ارتقاء

"قومیت" کیا ہو؟ انسان کی اجتماعی زندگی کے احساس و اعتقاد کی ایک خاص حالت کا نام ہو۔ یہ انسانوں کے کسی ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے ممتاز کرتی ہو اور اس کے ذریعہ اُس کی ایک بڑی جمعیت باہم مربوط ہوکر زندگی بسر کرتی اور اجتماعی زندگی کے کشاکش سے عہدہ برا ہوتی ہو۔ اس سے قبل اس کے کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیم و دعوت پر نظر ڈالی جائے خود انسان کی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے کہ اُس کے اجتماعی رشتوں اور رشتوں کے احساس و اعتقاد کا کیا حال ہو؟

جس طرح کائنات ہستی کی ہر شے پر قانون نشو و ارتقاء جاری ہو۔ یعنے ہر چیز ابتدائی حالت سے انتہائی درجہ تک، طفولیت سے رُشد و بلوغ تک، تنگی سے وسعت تک، پستی سے بلندی تک، اور نقص سے کمال تک بہ تدریج ترقی کرتی ہو، اور اس رفتار ترقی میں اُسے مختلف درجوں اور منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، اُسی طرح انسان کا احساس اجتماع بھی تدریجی ترقی کا ایک پورا ارتقائی سلسلہ ہو۔ یہ ایک نہایت محدود اور تنگ دائرہ سے شروع ہوتا ہو لیکن بہ تدریج بڑھتا اور پھیلتا ہو

اور بالآخر وسعت و بلوغ تک پہنچ جاتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح اُس کی بھی ایک کڑی ابتدائی ہے اور ایک انتہائی ہے۔ ابتدائی کڑی میں اُس کا احساس اُس کے جسم و دماغ کی طرح گہوارۂ طفولیت میں سوتا نظر آتا ہے۔ پھر جوں جوں دماغی ادراک نشوونما پاتا ہے، اجتماعی رشتوں، علاقوں کا احساس بھی وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اور پھیلتے پھیلتے اُس نقطۂ بلوغ و کمال تک پہنچ جاتا ہے جو اس سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔

حلقات تسعۂ ارتقا

انسانی حالت پر ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالی جاتی ہے: نوعی اور انفرادی۔ نوعی سے مقصود یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک نوع کے اُس پر جو کچھ گزر چکا ہے اس کی جستجو کی جائے۔ انفرادی سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ایک انسانی وجود پر جو کچھ گزرتا ہے اس کی تحقیق کی جائے۔ پہلی کے لئے تاریخ و آثار کا اور دوسری کے لئے خود انسان کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر انسان کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی احساس و ادراک کا یہ سلسلۂ ارتقا نوع اور فرد دونوں زندگیوں میں یکساں طور پر موجود ہے، اور اس کی بڑی اور اصولی کڑیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) اموتہ۔
(۲) ابوۃ۔
(۳) عائلہ۔
(۴) قبیلہ۔
(۵) بلدیۃ۔
(۶) وطنیتہ۔
(۷) جنسیت و قومیۃ۔
(۸) براعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ۔
(۹) انسانیت وارضیتہ۔

"اموتہ" کے معنی عربی میں ماں ہونے اور ماں کے رشتہ کے ہیں۔ اس سے مقصود انسان کی وہ ابتدائی حالت ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی ساری دنیا صرف ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس ابتدائی منزل میں انسان کا علاقۂ اجتماع صرف "اموتہ" میں محدود ہوتا ہے۔ فطرۃ کا فرشتہ اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے معصوم ہاتھ ماں کی گردن میں حمائل ہو جاتے ہیں۔ یہ فردیّہ سے اجتماعیت کی طرف انسان کا پہلا قدم ہے۔

"ابوۃ" سے مقصود باپ کا رشتہ ہے۔ ماں بچے کو باپ کے آغوش محبت میں رکھ دیتی ہے اور اب وہ ماں کے ساتھ ایک دوسرے وجود کا رشتہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

تمدن کے وجود میں آنے سے پہلے انسان انفرادی اور خلقی زندگی بسر کرتا ہوگا۔ اُس وقت ازدواج مدنی (یعنی تعین و التزام کے ساتھ مرد و عورت کے ملنے) کا وجود نہ تھا۔ ممکن ہے عام حیوانات کی طرح ولادت کا بنیادی رشتہ محض اموتہ کا رشتہ ہو اور ابوۃ کا تعین اور تشخص بوجود میں نہ آیا ہو۔ میں نے "ممکن ہے" کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس بارے میں علماء علم الانسان کے نظریات مختلف ہیں اور کوئی واضح روشنی موجود نہیں۔ بہر حال ابتدا میں ابوۃ کا تشخص ہو یا نہ ہو جس دن سے یہ تشخص شروع ہوا ہے، اموتہ کے بعد احساس اجتماع کی دوسری منزل یہی ہے۔

"عائلہ" عربی میں خاندان کو کہتے ہیں لیکن خاندان کا لفظ ہماری زبان میں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ "عائلہ" کا اطلاق اُس سے کم تر دائرے پر ہوتا ہے۔ اس سے مقصود وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن کے اکٹھے ہونے سے ایک گھرانے کی مشترکہ زندگی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ یہ اس سلسلۂ ارتقا کی تیسری کڑی ہے۔ انسان نے جب انفرادی زندگی کی جگہ مل جُل کر رہنا شروع کیا تو اس کا پہلا منظر یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کا حلقہ بنا کر رہتا تھا تاکہ زندگی کی کش مکش میں تنہا رہنے کی جگہ ایک جتھا پیدا ہو جائے۔ "قریبی رشتہ داروں" کے اس احساس ہی سے اجتماعی ارتقا کی یہ تیسری منزل وجود میں آتی ہے۔ کیونکہ اب ماں باپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کا بھی رشتہ محسوس کیا جانے لگا اور اجتماعیتہ کے احساس میں وسعت ہو گئی۔

"قبیلہ" اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ اور یہ بہ نسبت "عائلہ" کے زیادہ وسیع حلقہ مہیا کرتی ہے۔ تمدن کے ابتدائی ایام میں جب کچھ عرصہ تک "عائلہ" کا نظام جاری رہا تو ہر خاندان کی نسل بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ پانچ پانچ دس دس پشتیں گزرنے کے بعد ہر خاندان کے افراد کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی تعداد صرف عائلہ کی چار دیواری میں سمٹ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر ایک وسیع تر حلقۂ تعارف پیدا ہو گیا، اور باوجود مختلف جگہوں میں رہنے کے ہر فرد اُس حلقہ کی نسبت سے پہچانا جانے لگا۔ جنگ و صلح کے موقعہ پر بھی یہ حلقے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتے ہوں گے۔ اس طرح "قبیلہ" کی بنیاد پڑی، اور اب اس منزل میں پہنچ کر وہی انسان جس کا احساس اجتماع صرف "اموتہ" اور "ابوۃ" میں محدود تھا، اپنے آپ کو ایک وسیع حلقۂ انسانی کا رکن سمجھنے لگا۔ یہ پورا حلقہ ایک خاص مورث اعلیٰ کی طرف اپنے آپ کو منسوب اور اس کے وجود کو اپنی رشتہ داریوں اور قرب جوئیوں کے لئے اعتقاد و شرف کا مرکز ٹھہراتا۔ یہ نسب کی بنیاد چلی اور اس کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ عرب، افریقہ، ہندوستان، امریکہ، اور آسٹریلیا وغیرہ میں آج تک قبائل کا نقش قدم ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔ عرب میں تو قبائل کی تقسیم اور نسب کی حفاظت کا ایسا دَور دَورہ رہا کہ تمدنی اور شہری زندگی کا اختلاط بھی اسے نہ مٹا سکا۔ اسوقت بھی اندرون عرب میں ہر قبیلہ بہ حیثیت قبیلہ کے اُسی طرح موجود ہے جس طرح چھٹی عیسوی سے پہلے تھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں کے مختلف نسلی سلسلے اور سورج بنسی اور چندر بنسی کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ جو نسل انسانی کی آج بڑی بڑی اصولی تقسیمیں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً سامی، آرین، منگولین تو ان کی بھی بنیاد جب پڑی ہوگی، اسی "قبیلہ" کی منزل میں پڑی ہوگی۔ اب اگرچہ نسل انسانی اس منزل سے بہت آگے بڑھ چکی ہے، لیکن اس کی انفرادی زندگی میں یہ اب بھی ویسی ہی رسائی منزل ہے، جیسی بہ حیثیت نوع کے تاریخ میں پیش آئی تھی۔ اب بھی جب انسان کا بچہ بڑا ہوتا ہے اور طفولیت کے سادہ احساسات کی جگہ تربیت و سماع کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں، تو وہ اپنے گھرانے کے حلقہ سے ایک زیادہ وسیع حلقۂ رشتہ داریوں کا محسوس کرتا ہے۔ یہی احساس "عائلہ" کے بعد "قبیلہ" کا احساس ہے۔

اس چوتھی کڑی پر نسل کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، اور مکان کا رشتہ ظہور کرتا ہے۔ اب تک انسان کا احساس اجتماع صرف نسل کے رشتے میں محدود تھا۔ کیونکہ اُس کے دماغ کے لئے سب سے زیادہ قریبی رشتہ یہی تھا اور ہمیشہ اُس کے ادراک کا سفر قرب سے بعد کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اب ایک دوسرا رشتہ بھی دعوت اعتقاد دینے لگا۔ ابتدا میں انسان کی زندگی محض انفرادی زندگی تھی، پھر عائلہ اور خاندان کی بنیاد پڑی، لیکن پھر بھی وہ عرصہ تک ویسی ہی غیر شہری زندگی بسر کرتا رہا جیسی آجکل بھی صحرائی قبائل یا ایشیا اور یورپ کے جپسیوں کی زندگی ہے۔ وہ پانی، چارہ، اور غذا کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب ایک کافی مدت اس حالت پر گزر گئی، تو ہر قبیلہ اور گروہ کے لئے کوئی خاص حصۂ زمین مسکن و مولد کی شکل میں متعین ہو گیا۔ مثلاً کوئی خاص قبیلہ تھا جو خزاں میں ایک جگہ رہتا اور بہار میں دوسری جگہ چلا جاتا۔ عرصہ کے تواتر قیام سے یہ دونوں مقام اُس کے لئے مسکن و موطن بن گئے۔ یا کسی جماعت نے کسی ایک ہی مقام پر قیام اختیار کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ اس جگہ میں اپنے لئے خصوصیت محسوس کرنے لگی۔ ساتھ ہی ایسا بھی ہوا کہ مختلف قبائل کسی ایک ہی حصۂ ارضی میں آس پاس رہنے لگے اور عرصہ تک قریب رہنے کی وجہ سے ان میں باہمی قرب و علائق کی ایک خاص حالت پیدا ہو گئی۔ ان اسباب سے اُس اجتماعی احساس اور جذبہ کی بنیاد پڑی جسے میں نے "بلدیّۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اس احساس کی پانچویں منزل ہے۔ اس منزل میں پہنچ کر انسان ایک نیا رشتہ محسوس کرنے لگا جو کسی ایک ہی جگہ رہنے سہنے اور وہیں پیدا ہونے کے اشتراک کا رشتہ ہے۔

ایک مدت تک جس مقام پر انسان رہتا ہے قدرتی طور پر اُس سے زیادہ مانوس ہو جاتا ہے۔ اس اُنس کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ اوّل تو اُس مقام کی ارضی خصوصیات کے ساتھ اُس کی زندگی کے حالات کچھ اس طرح مل جل جاتے ہیں کہ وہاں کے ہر موسم اور ہر حالت کے ساتھ اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی حالت وابستہ ہو جاتی ہے، اور اس کے تصور میں اُس کے لئے کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ثانیاً، مشاہدہ کے استمرار و تواتر میں بجائے خود حیوانی دماغ کے لئے تاثیر ہے۔ جن چیزوں سے اُس کا لگاتار واسطہ رہتا ہے قدرتی طور پر اُن سے زیادہ مالوف ہو جاتا ہے۔ ثالثاً، مکان و قیام کے ساتھ نسل و رفاقت کے بھی تمام رشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ جس مقام پر انسان پیدا ہوا اور پرورش پائی ہو وہیں اس کے تمام عزیز و اقارب اور جانے پہچانے ہوئے آدمی ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کی محبتوں کی یاد وہاں کے چپہ چپہ میں بس جاتی ہے۔ غرضکہ انسان نے نسل کے بعد مکان و توطن کا رشتہ بھی محسوس کیا اور بہ تدریج اس کی گیرائیاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ اس کے جذبات محبت کا مرکز اور مکانی دل بستگی کے ولولوں کا محور بن گیا:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بواد، وحولی اذخر وجلیل!

"بلدیّۃ" کے بعد چھٹی کڑی "وطنیتہ" کی آتی ہے۔ وطنیتہ "بلدیّۃ" کے رشتہ کی ایک خاص ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ جب تمدن میں مزید ترقی و وسعت ہوئی، بکثرت آبادیاں اور شہر بس گئے، اور انسان کے باہمی علائق بھی زیادہ وسیع ہوئے، تو "بلدیّۃ" کے جذبات میں بھی وسعت شروع ہو گئی، اور اب انسان نہ صرف اپنے مسکن و مولد ہی کو بلکہ اُس تمام علاقے کو اپنا وطن محسوس کرنے لگا جس کے ایک گوشہ میں وہ آباد تھا۔ پھر بتدریج اس دائرہ میں اور وسعت ہوئی، چھوٹے چھوٹے علاقوں کی جگہ زمین کے بڑے بڑے حصے داخل ہو گئے، یہاں تک کہ اب ایک پوری اقلیم بھی مفہوم وطنیتہ میں داخل ہو جاتی ہے!

نسل کے اجتماعی احساس نے افراد کی کثرت کو نسل کے نقطۂ وحدت میں سمیٹ دی تھی۔ اب مکن

ومکان کی وحدت نمایاں ہوئی اور اس نقطۂ وحدت نے نسلی دائرہ سے زیادہ وسیع وعام دائرہ اپنے گرد کھینچ لیا۔ یہ دائرہ مختلف قبیلوں اور نسلوں کو باہم دگر مربوط و متحد کردیتا ہے۔

"وطنیۃ" کے بعد جذبۂ اجتماع کے لئے "جنسیت" کی منزل نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے مقصود انسانی علاقہ کا ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے، اور اُن سب بالاتر رشتۂ اشتراک پیدا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ رشتہ کسی خاص اصل پر مبنی ہو۔ کہیں وطنیۃ نے ایک زیادہ وسیع صورت اختیار کرلی ہے اور دوسری وطنیتوں کو بھی اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی بعید تاریخی نسل کا اشتراک نقطۂ اتحاد بن گیا ہے اور جس قدر انسانی جماعتیں اس سے وابستگی پیدا کرسکتی ہیں، پیدا کرلیتی ہیں، اگرچہ مختلف اقطاع ارضی میں آباد ہوں۔ رنگ اور زبان بھی اسمیں وجہ اشتراک کا کام دیتی ہے اور وہ تمام مختلف وطنیتیں اور نسلی جماعتیں شامل ہوجاتی ہیں جو رنگت میں یا زبان کے ابتدائی مواد میں اشتراک رکھتی ہوں۔ "جنسیت" کا یہ دائرہ تمدن کی وسعت و ترقی اور ملکی و سیاسی مقاصد کی کش مکش سے بہ تدریج ظہور پذیر ہوا۔ مختلف وطنیتوں نے دیکھا کہ وہ وطنیۃ کے دائرہ سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اتحاد اور ہمرشتگی کا پیدا کرسکتی ہیں جو مختلف وطنیتوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گا، اس لئے انھوں نے "جنسیت" کی طرف قدم بڑھایا۔ آریکن جنسیت دنیا کی مختلف نسلوں اور وطنیتوں کا مجموعہ ہے۔ فرانسیسی جنسیت ہر اُس فرد کو اپنے میں شامل کرلیتی ہے جو چند خاص اجتماعی ومعیشتی عقائد و اعمال میں شریک ہوجاتا ہے۔ لاطینی جنسیت اُن تمام قوموں کو منسلک کرتی ہے جو لاطینی حلقہ کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ سفید، سرخ، زرد، اور گندمی رنگت کی بھی تقسیم پیدا ہوگئی، اور جنس کا کام دینے لگی۔

بہرحال احساس اجتماع کا یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے اور انسانوں کی بڑی بڑی تعداد اسمیں سمٹ آتی ہے۔

"جنسیت" کے بعد اس سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اُس رشتہ کا پیدا ہوجاتا ہے جو جغرافیہ کی بڑی بڑی تقسیموں سے پیدا ہوگیا ہے۔ مثلاً ایشیا، افریقہ، مشرق، مغرب، اس دائرہ میں پہونچکر انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے باہمی علائق کی دنیا وطن و جنس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ایشیا کا باشندہ تمام ایشیا کو اپنا وطن سمجھنے لگتا ہے، اور یورپ کا باشندہ تمام براعظم یورپ میں اپنے لئے جذبۂ وطنیۃ محسوس کرتا ہے۔

جغرافیہ کی تقسیم پر پہنچکر اضافی وسعت کی تمام کڑیاں ختم ہوجاتی ہیں اور وہ منزل سامنے آجاتی ہے جو حقیقت کے عموم و اطلاق کی آخری منزل ہے اور جہاں پہونچکر سلسلۂ ارتقا درجۂ بلوغ و تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ منزل "انسانیت" اور "ارضیۃ" کی منزل ہے۔ یہاں پہونچکر انسان محسوس کرتا ہے کہ رشتوں، علاقوں کی تمام حد بندیاں اور اضافی نسبتیں جو اُسنے بنا رکھی تھیں، ان میں سے کوئی بھی حقیقی و فطری نہیں ہے۔ حقیقی رشتہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کرۂ ارضی انسان کا وطن ہے، تمام نسل انسانی ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے۔ اس منزل پر پہونچکر انسان کے اجتماعی علائق کا سفر ختم ہوجاتا ہے اور وحدۃ نسلی، وحدۃ مکانی اور وحدت جنسی کی جگہ فاطر السماوات والارض کی بنائی ہوئی ایک ہی وحدۃ انسانی اپنی کامل اور بے پردہ صورت میں آشکارا ہوجاتی ہے!

انسانی علم و معرفت کے سفر میں یہ منزل وحدت اور کل کی منزل ہے، اُس کا ہر سفر جزء و فرد سے شروع ہوتا ہے، اور کل اور نوع کی وحدۃ پر ختم ہوجاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تعین اور نسبتیہ کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں، اضافت اور نسبت کی تمام تنگ نظریاں اور حد بندیاں دور ہوجاتی ہیں، اور عارف منزل شناس دیکھ لیتا ہے کہ اس کائنات کثرت میں حقیقت بجز وحدۃ کے اور کچھ نہیں ہے! ہر گوشہ میں پہلے کثرت ہے، افراد ہیں، اجزاء ہیں، لیکن اگر جستجوئے حقیقت کا قدم رُکے نہیں تو بالآخر وحدۃ، نوع، اور کل کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ نسل، وطن، قوم، جنس، سفید، سیاہ، افریقی، ایشیائی، بہت سے اسماء گڑھ لئے گئے تھے، حالانکہ مسمیٰ ایک سے زیادہ نہ تھا اور وہ صرف "انسان" ہے:

عباراتنا شتیٰ وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

وحدت سے کثرت کی طرف

تم نے نوع انسانی کو اُس کی طفولیت کے گہوارہ میں دیکھا؟ یہ وہی انسان ہے جسکی وسعت نظر و علائق کے لئے آج کرۂ ارضی کا پورا دائرہ بھی کافی نہیں ہے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے کہ نظام شمسی کے دوسرے ستاروں سے اپنا رشتۂ وجود جوڑ لے، لیکن اُسوقت کیا حال تھا؟ اُسوقت اس کے ادراک و احساس کی غفلت و محجوبیت کا یہ حال تھا کہ خود اپنے وجود کی وسعت و نوعیت کی بھی خبر نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس طرح باہدگر ملحدگی اور بے رشتگی کی زندگی بسر کرتا تھا گویا ایک نوع کی جگہ مختلف انواع کے افراد ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کے علم و ادراک کی بند آنکھیں کھلنے لگیں۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ اپنے انفرادی وجود میں تنہا نہیں ہے۔ ایک ایسے مجموعہ کا فرد ہے جس کا ہر فرد اُسی کی طرح انسان ہے۔ لیکن چونکہ علم و احساس کی یہ رفتار قرب سے بُعد کی طرف تھی، اس لئے سب پہلے وہ رشتہ نمایاں ہوا جو سب زیادہ قریب تھا، اور سب آخر اُس رشتہ کا سرا اُبھرا جو سب زیادہ دُور تھا۔ قرب و بعد کے ان دونوں کناروں کے درمیان جس قدر منزلیں پیش آئیں، اُن میں سے ہر منزل اپنی ماقبل منزل سے دُور تر لیکن مابعد منزل سے قریب تر تھی۔ انسانی ادراک و احساس کے لئے سب سے زیادہ قریبی اور سامنے کا رشتہ کیا تھا؟ ماں باپ کا رشتہ، اس لئے سب پہلے اُسی کا احساس بیدار ہوا۔ سب سے زیادہ دُور کا رشتہ کیا تھا؟ "انسانیۃ" اور "انسانی اخوت" کا رشتہ۔ اس لئے سب آخر اسی منزل کی نمود ہوئی۔

انسانی اخوت کا رشتہ دُور کا رشتہ اس لئے ہوا کہ یہ ایک غیر محدود کثرت کو وحدت میں لانے کے بعد نمایاں ہوسکتا تھا اور چونکہ ہمیشہ کثرت و تعدد کی وسعت میں انسانی عقل گم ہوجایا کرتی ہے، اس لئے وحدت تک پہنچتے پہنچتے اُسے بہت دیر لگ جاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ کائنات ہستی وحدت و کثرت کی صورت آرائیوں کا ایک عجیب فریب طلسم ہے، اس لئے جب کبھی کاروان عقل جستجوئے حقیقت میں نکلتا ہے، تو اُسے کثرت سے وحدت کی طرف بڑھنا پڑتا ہے، اور جب تک منزل بہ منزل پوری مسافت طے نہیں کرلیتا، حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق ہستی کے ہر گوشہ میں انسانی علم کی تاریخ ایک پوری داستان سیاحت ہے۔ درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل علم نے ترقی کی ہے اور جستجو نے سراغ پایا ہے۔ جس طرح انسان کو صرف اتنی بات معلوم کرنے کے لئے کہ ایک ہزار ہمشکل جانور ایک ہزار قسمیں نہیں ہیں، بے شمار زمانہ مطلوب تھا، اسی طرح وہ خود اپنے وجود کی نوعی وحدت اور اسکے عالمگیر رشتے کا علم و احساس بھی فوراً حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ ناگزیر تھا کہ ایک پوری مسافت منزل بہ منزل طے کی جائے، چنانچہ طے کی گئی، اور بالآخر وحدت انسانی کی منزل نمودار ہوگئی!

انسان کی حیات انفرادی

یہ انسان کی نوعی زندگی کی سرگزشت تھی اب کچھ دیر کے لئے اُس کی انفرادی زندگی پر بھی ایک نظر ڈال لو۔ نوعی زندگی کے علم کے لئے تاریخ کے اوراق اُلٹنے پڑے تھے، لیکن فرد کی زندگی کا صفحہ تو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہاں بھی دیکھو، کس طرح احساس اجتماع کا فطری سلسلۂ ارتقا درجہ بدرجہ ظہور کرتا ہے اور منزل بہ منزل آگے لے جاتا ہے؟ جب ایک بچہ ماں کی گود میں آنکھیں کھولتا ہے تو ماں کے سوا اور کسی انسانی رشتے کا احساس نہیں رکھتا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کا ادراک اُبھرتا اور پھیلتا ہے، اور احساس کی وہ کڑیاں نمودار ہونے لگتی ہیں جو قرب سے بُعد کی طرف اُس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ پہلے صرف ماں باپ ہی کے دامن سے لپٹا تھا، یہ "اُمومۃ" اور "ابوۃ" کی ابتدائی کڑیاں تھیں۔ پھر اُس کے گھر کی چار دیواری اُسکی دُنیا ہوگئی۔ نظر طفولیت کی نارسائی اس سے آگے نہیں دیکھ سکتی تھی، یہ "عائلہ" کی منزل تھی۔ پھر اُس کی عمر کچھ زیادہ ہوئی تو اپنے گھرانے اور خاندان کے تمام رشتہ داروں کو بھی جانچ پہچاننے لگا اگرچہ وہ اُس کے گھر کی چار دیواری میں نہ رہتے ہوں۔ یہ وہی منزل ہے جسے پہلے "قبیلہ" کے نام سے پہچان چکے ہو۔ اس اثنا میں مسکن ومکان کا رشتہ بھی بوجہ قریبی ہونے کے دائرہ احساس و ادراک میں آجاتا ہے۔ پہلے اپنے ہمسایہ سے پھر اپنے محلے کے لوگوں سے پھر پوری بستی اور شہر سے مانوس ہوجاتا ہے۔ یہ وہی منزل ہے جو "بلدیۃ" کے نام سے لوح کو پیش آچکی ہے۔

ان ابتدائی احساسات کے بعد وہ وقت آتا ہے جب طفولیت کا عہد ختم ہوجاتا ہے اور نظر و ادراک اس حد تک نشوونما پالیتے ہیں کہ مشاہدہ کی طرح سماع سے بھی علم و احساس حاصل کریں، تو تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس کی ذہنیت اسی سانچے میں ڈھلنا شروع ہوجاتی ہے جو انسان کی تمدنی زندگی نے پیدا کرلی ہے۔ لیکن اب بھی احساس اجتماع کی رفتار وہی رہتی ہے جو قرب سے بُعد کی طرف ہونی چاہئے۔ وہ اپنے دل میں پہلی کشش وطن کی طرف پاتا ہے۔ پھر قوم و جنس کا سراغ پاتا ہے، سب سے آخر میں انسانیت آتی ہے اور اس کے دل کے دروازہ پر دستک دینے لگتی ہے!

اگر ایک بچہ کو باقاعدہ تعلیم و تربیت کی ہوا نہ لگے، تو اس صورت میں بھی اُسے ایسی ہی منزلیں پیش آئیں گی۔ البتہ بعض کڑیاں جو تہذیب و تمدن کے افکار و عقائد سے پیدا ہوگئی ہیں اُس کے سامنے نہ آئیں۔ وہ قدرتی طور پر پہلے اپنے مولد و مسکن کا رشتہ محسوس کرے گا۔ پھر اطراف و جوانب کی طرف کھینچے گا۔ پھر اپنے ملک و اقلیم کا تصور کرے گا، اور سب سے آخر دنیا اپنے رشتۂ انسانیۃ کے ساتھ نمود کریگی!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

منیجر الہلال کلکتہ

بصائر و حکم

مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟

مومن اور مُنکر کا ایک دلچسپ مکالمہ

جدال فی اللہ بغیر علم!

چھ مجلسیں

پہلی مجلس

میرا بھائی ایک ایسا ہی "آزاد خیال" شخص ہے جیسے آزاد خیال اشخاص بیسویں صدی کی عام پیداوار ہیں۔ بحث و مناظرہ کا اسے بہت شوق ہے۔ اپنے تیز اور قطعی خیالات کے اظہار میں کبھی تامل نہیں کرتا اور جب کبھی گفتگو کرتا ہے تو اس کا معارضہ سخت اور بحث بے جھجک ہوتی ہے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا:

"مجھے یقین نہیں آتا کہ "بلعام" کی گدھی بولی ہو جیسا کہ توراۃ میں بیان کیا گیا ہے!"

میں نے جواب دیا:

"میں نہایت خوش ہوں گا اگر دنیا بھر کے گدھوں کا منہ باندھ دیا جائے اور وہ کبھی اپنی کرخت آواز دنیا کو نہ سنا سکیں"

میرا جواب بھائی نے مذاق پر محمول کیا وہ سنجیدہ تھا اور علمی مباحث میں ہرگز مذاق گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اُسنے چیں بجبیں ہو کر کہا:

"میں مہمل گفتگو پسند نہیں کرتا۔ سنجیدہ دقیق مباحث میں میرا جی لگتا ہے"

میں نے کہا:

"بہت بہتر۔ کوئی سنجیدہ مسئلہ پیش کرو تاکہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کروں"

ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہنے لگا:

"تعجب ہے آپ ہمیشہ مجھی سے سوال چاہتے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ مسئلہ میں ہی حملہ آور ہوں اور آپ مدافعت کریں؟ آج خود آپ ہی کیوں نہ پہلا گولہ پھینکیں؟ کیا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے؟"

میں نے جواب دیا:

"کیوں نہیں؟ کسی عمارت کا ڈھا دینا تعمیر سے زیادہ آسان ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کوئی عمارت ہی نہیں رکھتے۔ تمھارے پاس کوئی مثبت چیز سے ہی نہیں۔ صرف انکار اور منفی پہلو ہے۔ پھر میں کس چیز پر حملہ کروں؟ تاہم ایک مسئلہ میں تمھاری زبان سے ائمۂ الحاد کے فتوے سننا چاہتا ہوں"

اُسنے وعدہ کیا کہ میرے ہر سوال پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرے گا اور ملحدین کے افکار پوری وضاحت سے پیش کرے گا۔

میں نے سوال کیا۔

"مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟"

ساتھ ہی میں نے کہا:

"سوال بالکل آسان اور صاف ہے۔ معتقد علمار نے اسے ضرور حل کیا ہوگا، تمھاری کیا رائے ہے؟"

وہ کچھ گھبرا سا گیا:

"یہ سوال بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ اسپر بحث کی کیا ضرورت ہے؟"

اسنے جواب دیا۔

"ممکن ہے تمھارا خیال صحیح ہو"

میں نے کہا:

"لیکن اگر میری ذاتی رائے پوچھتے ہو تو میں اس سوال کو بہت اہم سمجھتا اور تمھارے جواب کا بے چینی سے منتظر ہوں۔ خود تم نے مجھ سے سوال کی خواہش کی تھی۔ اب تمھیں جواب سے گریز نہیں کرنا چاہئے"

وہ "یہ سوال بظاہر بالکل معمولی ہے۔ لیکن در اصل اپنے اندر ایک دقیق فلسفی بحث چھپائے ہے۔ یا تو آپ اسے کسی دوسری شکل میں پیش کیجئے یا اپنا مقصود واضح کر دیجئے"

میں "تم بہت ڈر رہے ہو۔ حالانکہ تمھیں ڈرنا نہیں چاہئے۔ یہ سوال کچھ جال نہیں ہے جسمیں پھنس جاؤ گے۔ مجھے اس موضوع کے متعلق صرف اتنی ہی واقفیت ہے کہ انڈا مرغی کے پیٹ سے نکلتا ہے اور مرغی بچے سے بنتی ہے"

اُسنے میری تصدیق کی۔ پھر میں نے کہا:

"اگر یہ سچ ہے تو کیا علم طبقات الارض کے ماہر سر چارلس لائل نے یہ اصل قرار نہیں دے دی ہے کہ "ماضی کو حاضر کے دلائل سے واضح کرنا چاہئے؟"

وہ "بیشک"

میں "تو انڈے اور مرغی کا یہ معاملہ ہمیشہ سے یوں ہی چلا آ رہا ہے؟"

وہ "ہاں"

میں "تو ضرور ہے کہ پہلی مرغی اور پہلے انڈے کا وجود اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہوگا؟"

وہ "بیشک"

میں "اگر یہ صحیح ہے تو پہلی مرغی انڈے سے پہلے وجود میں آئی، کیونکہ وہ انڈے سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو سر چارلس لائل کا اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حاضر کا مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور ماضی کو واضح نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں ہر مرغی انڈے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حاضر کی اس دلیل و مشاہدہ سے ہمیں یہی کہنا چاہئے کہ ہمیشہ مرغی انڈے ہی سے پیدا ہوتی رہی ہے۔ مگر تمھیں ابھی تسلیم کرنا پڑا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

اسپر وہ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا:

"آپنے بلا بحث یہ کیسے تسلیم کر لیا کہ سب سے پہلی مرغی بغیر انڈے کے موجود ہوئی؟ خود مرغی کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ اُسی انڈے کی ترقی یافتہ مکمل صورت ہے۔ اگر ہم صحیح علمی اصول کی روشنی میں غور کریں تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ انڈا پہلے ہوا ہے، لہذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلی مرغی بھی انڈے ہی سے وجود میں آئی ہے"

میں "بہت خوب۔ تو اب یہ طے پا گیا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا ہوئی ہے۔ یعنی انڈے کا وجود مرغی کے وجود سے پہلے ہوا یعنی سب سے پہلا انڈا مرغی کے پیٹ سے نہیں نکلا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بھی لائل کا نظریہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حاضر، ماضی کی تائید نہیں کر رہا ہے، سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہر انڈا مرغی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی بتا دو کہ اگر سب سے پہلا انڈا مرغی سے پیدا نہیں ہوا تو کہاں سے آیا؟ کیونکر آیا؟ کب آیا؟"

وہ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ انڈا خدا نے پیدا کیا"

میں "میں سائل ہوں، مجیب نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آسمانی کتابوں کے قائل اس سوال کا یہ صاف اور معمولی جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے ہیں کہ سب سے پہلا انڈا خدا نے خود پیدا کیا تھا لیکن یہ بے دلیل ہے۔ اگر تم علمی دلائل و براہین سے کوئی فیصلہ کن جواب دے سکو تو میں نہایت ممنون ہوں گا"

وہ "کیا انڈے کا مسئلہ تمام حقائق کائنات پر چسپاں ہو سکتا ہے؟"

میں "بیشک۔ ضرور ہے کہ شروع شروع گیہوں کا سب سے پہلا دانہ موجود ہوا ہو، سب سے پہلی بلی ہو، سب سے پہلی گائے ہو، سب سے پہلی بکری ہو۔ سب سے پہلا انسان ہو۔۔۔ اگر تم انڈے کی گتھی سلجھا دو تو میں باقی تمام کائنات کو اُسی پر قیاس کر لوں گا، اور ہم آفرینش کا راز دنیا پر کھول سکیں گے"

وہ "آفرینش کا سوال بہت قدیم سوال ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کائنات، تدریجی ارتقا کے ساتھ وجود میں آئی ہے"

میں "سچ ہے۔ لیکن اصل حیات اس سے مستثنیٰ ہے۔ زندگی کا پہلا تخم ضرور ہے کہ پیدا کیا گیا ہو۔ نظریۂ ارتقا مجھے مرعوب نہیں کر سکتا ارتقا کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے کوئی وجود موجود ہو، اور اُس میں تدریجی ترقی ہوئی ہو۔ لیکن عدم محض میں کیونکر ترقی ممکن ہے؟ ضرور ہے کہ پہلے انڈے کا وجود تسلیم کرو پھر اُس پر خلقت کی عمارت کھڑی کرو۔ پس میرا سوال یہی ہے کہ وہ سب سے پہلا انڈا کہاں سے آیا؟"

وہ "میں ڈاکٹر باسٹن کے اس نظریہ سے بالکل متفق ہوں کہ ہر جاندار غیر عضوی بے جان مواد سے وجود میں آیا ہے"

میں "لیکن ہکسلے اور ٹنڈال نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہے اور تمام علمار نے وہی قدیم نظریہ تسلیم کیا ہے کہ جاندار جاندار سے موجود ہوا ہے"

اسپر وہ لاجواب سا ہو گیا اور کہنے لگا باقی گفتگو کل ہوگی۔

دوسری مجلس

دوسرے دن میں نے اُس سے کہا:

"کل میں زندگی کی اصل کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ میرا سوال ایک ایسے انڈے کے متعلق تھا جو زندہ عناصر سے مرکب ہے لیکن تم نے ڈاکٹر باسٹن کا قول پیش کر دیا کہ انڈا غیر جاندار مواد سے وجود میں آیا ہے۔ حالانکہ میرا سوال جاندار انڈے کے متعلق تھا، مردہ انڈے سے بحث نہ تھی۔ لیکن خیر میں تمھاری خاطر فرض کئے لیتا ہوں کہ سب سے پہلا غیر عضوی مردہ مواد سے ظہور پذیر ہوا تھا مثلاً ہم کہیں سب سے پہلے انڈے کی اصل، ریت کا ایک ذرہ تھا مگر یہ کہنے کے بعد بھی سوال بدستور قائم رہتا ہے۔ اب اُس کی صرف لفظی شکل بدل جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ریت کا ذرہ کہاں سے آیا؟"

وہ "ریگ کا ذرہ اور ہر عنصر بہت سے ایسے دقیق ذرات و اجزا سے مرکب ہے جنھیں انسانی نگاہ کسی طرح بھی مشاہدہ نہیں کر سکتی لیکن باوجود اس کے ہم ان غیر مرئی ذرات کے وجود کے قائل ہیں۔ سر دست ۷۶ عناصر کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جو حال

علم ترقی کرے گا ان عناصر کے شمار میں تخفیف ہوتی جائے گی. بہت ممکن ہے ایک زمانہ آئے جب ہم دعویٰ سے کہہ سکیں کہ صرف ایک ہیڈروجین ہی تمام عناصر و کائنات کی اصل ہے، سب کچھ اُسی سے ظہور پذیر ہوا ہے"

میں " شاباش! اگر کائنات، ہیڈروجین سے بنی ہے تو بتاؤ مرغوں کی وہ سبز پر دادی کیونکر وجود میں آئی جسنے پہلا انڈا دیا تھا؟ ظاہر ہے وہ خود تو انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

وہ " یہ سب سے پہلی مرغی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ظہور پذیر ہوئی تھی"

میں " کس چیز سے ظہور پذیر ہوئی؟"

وہ " میں نہیں جانتا"

میں " تو تم اُس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے؟"

وہ " میں ہر چیز کا عالم نہیں ہوں"

میں " تمھارے اس صریح اعترافِ عجز کی داد دیتا ہوں. لیکن تم کہہ چکے ہو کہ اولین مادۂ حیات پیدا نہیں کیا گیا. اب ہم کائنات کی اصل و ابتداء کے موضوع پر پہنچ گئے - ہیڈروجینی انڈے کی بحث پر مگر تم نے اپنے جہل کا اعتراف کر لیا اور نہیں بتا سکے کہ وہ انڈا پیدا کیا گیا یا پیدا نہیں کیا گیا؟"

وہ " یہی سہی. لیکن میں برابر مدعی ہوں کہ کائنات اُس طرح پیدا نہیں ہوئی جس طرح توراۃ میں لکھا ہے"

میں " مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کائنات کس طرح خلق ہوئی ہے بہرحال کسی نہ کسی طرح وجود میں ضرور آئی ہے"

وہ " میں صفائی سے اعتراف کرتا ہوں کہ علم اس گتھی کے سلجھانے میں ناکام رہا ہے اور بقول "سٹرلاینگ"، کبھی مستقبل میں اس کا فیصلہ ہو سکے گا"

میں " تمھارے اس اعترافِ جہل کی بھی میں قدر کرتا ہوں. اچھا اب بحث کا رُخ ذرا پھیر دیں. کیا تم یقین کرتے ہو کہ تمام تنوری مخلوقات سبزیاں، اور حیوانات صرف ایک ہیڈروجین کے مختلف مرکبات ہیں"

وہ " ہاں"

میں " کیا خالی ظرف سے کسی چیز کا نکالنا ممکن ہے؟"

وہ " ہرگز نہیں. لیکن جناب! میں نے یہ کب کہا کہ ہیڈروجن ایک خالی ظرف ہے؟"

میں " لیکن میں بھی تو یہ نہیں کہتا، اچھا یوں سہی، کیا کسی ظرف سے اُتنا نکالا جا سکتا ہے جتنا اُس میں نہیں ہے؟"

وہ " نہیں"

میں " تو کیا ہیڈروجین سے اُتنا حاصل کیا جا سکتا ہے جتنا اُس کے اندر نہیں ہے؟"

وہ " نہیں"

میں " کیا تم خیال کرتے ہو کہ مادۂ حیات ہیڈروجین سے وجود میں آیا ہے؟"

وہ " بیشک، تمام آفتی اجسام (Nebulae)، نباتات، حیوانات تمام اہلِ فن، مصور، شاعر، مصنف، فلاسفر، علماء، غرضکہ تمام کائنات اُسی اصلی ہیڈروجینی انڈے کی پیداوار ہیں"

میں " اس عجیب طلسمی انڈے کے خواص ممیزات کیا ہیں؟"

وہ " اسمیں کوئی طلسم یا جادو نہیں - یہ نیچر، کائنات کی ماں ہے"

میں " ہاں والدہ ماجدہ! لیکن ضرور ہے کہ اُس اصلی ہیڈروجینی انڈے میں کچھ خاصیتیں تھیں - خود ہیڈروجین کہاں سے آیا؟"

وہ " نہیں معلوم"

میں " یہ عجیب خواص اُس میں کیونکر پیدا ہو گئے؟"

وہ " نہیں معلوم"

میں " تم قائل ہو کہ ہیڈروجین میں کچھ خاصیتیں تھیں جنھوں نے تدریج کائنات کو ظاہر کیا. لیکن کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ ہیڈروجین میں یہ خواص بغیر کسی صاحبِ ادراک اور عاقل ہستی کے عمل کے خود بخود موجود ہو گئے؟"

وہ " موضوع نہایت دقیق ہے. میری ناقص عقل اُس کے فہم کی قابلیت نہیں رکھتی"

میں " میرا سوال یہ ہے کہ ان عجیب خواص کا انڈا یا ہیڈروجینی کتلہ جس سے تمام کائنات رونما ہوئی اور جس سے مادۂ حیات اُچھل کر برآمد ہوا، ممکن ہے کہ بغیر کسی ذہانت اور عقلی قوت کے وجود کے موجود ہو گیا ہو؟ اگر ہیڈروجین میں عقل و ادراک نہیں تو تم، جو اس سے بنے ہو، کیونکر عاقل اور صاحبِ ادراک ہو؟"

وہ " میں آج مزید گفتگو نہیں کر سکتا. شب بخیر"

تیسری مجلس

میں ایک رسالہ اُٹھا کر دیکھنے لگا. اتفاق سے اسمیں یہ قصہ درج تھا کہ ایک شہزادے نے اپنی محبوبہ کو ایک آہنی انڈا تحفۃً بھیجا. محبوبہ اُسے دیکھ کر سخت برہم ہوئی اور اُسے زور سے زمین پر دے مارا. انڈا ٹوٹ گیا، اُس کے اندر سفیدی چاندی کی تھی، زردی سونے کی زردی کی ڈلی کے اندر چھوٹا سا طلائی تاج اور الماس کی انگوٹھی رکھی تھی. یہ قصہ پڑھ کر مجھے خیال ہوا کہ شاہزادہ کا بھیجا ہوا یہ انڈا اُس عظیم انڈے کے مقابلہ میں ہیچ ہے جس کے اندر سورج، چاند، ستارے ثریا، زمین، عالم نباتات و حیوان اور دُنیا بھر کی عقل و حکمت بھری ہوئی ہے. میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرا بھائی آ گیا اور کہنے لگا،

"کس سوچ میں ہو؟"

میں " کیا تم بتا سکتے ہو کہ دُنیا میں کوئی دریا بھی ایسا ہے جو کسی سرچشمہ سے نہ پھوٹا ہو؟"

وہ " بالکل معمولی سوال ہے. نہیں"

میں " کیا اثرات، بغیر موثرات کے موجود ہو سکتے ہیں؟"

وہ " ہر اثر کے لئے موثر و سبب کا وجود ضروری ہے. لیکن بواعث و اسباب کی بحث نہایت پیچیدہ ہے. شاید آپ ڈیویڈ ہیوم کے اس قول سے متفق نہیں کہ سبب اور مسبب کے مابین وہی تعلق ہے جو رات اور دن کے درمیان؟"

میں " ہاں میری یہ رائے نہیں. رات، دن کے بعد ضرور آتی ہے لیکن دونوں میں کوئی سببی علاقہ نہیں ہے. خیر آؤ، ہم اُسی عجیب طلسمی انڈے پر غور کریں. "نیچر" کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ کب آیا؟ کیا تم "نیچر" کی تعریف بیان کر سکتے ہو؟"

وہ " نیچر کی تعریف آسان نہیں: بقول ایک حکیم کے "آسمان کے نیچے چلو اور نیچر کی تعلیمات و قوانین سے آگاہ ہو" یا بقول ایک دوسرے حکیم کے، "نیچر کی بوقلمونی پر نظر کرو: ذرّے باہم وابستہ ہیں، جذب کرتے ہیں اور جذب ہوتے ہیں. نیچر کا قرب تمھیں اُس کے وصل سے شادکام کر دے گا"

میں " تم کہہ چکے ہو کہ نیچر نے سب سے پہلا انڈا تیار کیا اور اُسے مختلف الاشکال زندہ پُرجمال مرکبات بنانے کی قوت بخشی، میں بغیر مزید حقائق حاصل کئے نیچر کی یہ قابلیت تسلیم نہیں کر سکتا. آخر بتاؤ تو نیچر ہے کیا بلا؟ فرشتہ ہے؟ بھوت ہے؟ کیا یہ سنٹا کلاز (فرضی گلابی رنگ کا بوڑھا جو کرسمس میں اچھے بچوں کے لئے تحفے لا کر غائب ہو جاتا ہے) ہے، رات کو چپ چاپ آتا اور صبح ہوتے ہی غائب ہو جاتا ہے؟"

وہ " براہ عنایت مذاق نہ کیجئے"

میں " تم کہتے ہو نیچر ہر چیز کی ماں ہے اور اُس کی اولاد سمندر کے کناروں پر بچھی ہوئی ریگ کے ذرّوں سے بھی زیادہ ہے. لیکن پھر بھی تم میری اس سے تقریب نہیں کراتے"

وہ " نیچر ہر قسم کی تعریف و تعارف سے برتر ہے. اُس کے دامن میں زمین آسمان دونوں بچوں کی طرح پڑے ہیں"

میں " تمھارے خیال میں نیچر ایک اَن دیکھی قوت نہیں ہے جس کی شخصیت، ذرات سے الگ ہو کر کار فرمائی کرتی ہے؟"

وہ " ہرگز نہیں حکیم سٹوارٹ مل کہتا ہے "نیچر ہر ہونے والی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ وہ صرف اُس چیز کا نام ہے جو انسان کی قوت و ذہانت کے بغیر واقع ہوتی ہے". وہ نیچر ہی ہے جسنے ہمیں آسمان، زمین، پھول پتی، کھیتیاں اور سمندر کی مچھلیاں بخشی ہیں"

میں " لیکن تم کہہ چکے ہو کہ ہر چیز اولین ہیڈروجینی انڈے سے ہوئی ہے. اور اس طلسمی انڈے نے اپنی قوت نیچر سے حاصل کی ہے پس اب بتاؤ اس انڈے اور نیچر میں کیا فرق ہے؟"

وہ " دونوں کا تجزیہ و فصل بہت مشکل ہے. لیکن یہ یقینی ہے کہ ایک دوسرے کا مسبّب نہیں ہے"

میں " خیر ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شروع میں ہیڈروجینی انڈا موجود تھا اور اُسی سے تمام کائنات وجود میں آئی، لیکن کیا تم یہ نہیں تسلیم کرو گے کہ اس انڈے کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے اور اُسی خالق کو اُس کا نگراں اور مربی ہونا چاہئے؟ کائنات کا یہ ارتقا صرف ازلی و ابدی خدا ہی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہونا چاہئے"

وہ " میں یہ تسلیم نہیں کرتا"

میں " پھر خدا کی جگہ پر کسے رکھتے ہو؟ اگر انڈا فعلاً موجود تھا تو اُس کے لئے کسی عاقل ہستی کا وجود ضروری ہے. اگر انڈا خود بخود موجود ہوا اور خود اُسی نے اپنے آپ کو بنایا ہے اور خود ہی اپنا مربی و محافظ تھا تو بس: یہی وہ ہستی ہے جسے ہم خدا کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اگر اُس انڈے میں اپنے سنبھالنے اور حرکت کرنے کی ذاتی قوت نہیں تو ضرور کوئی اُس سے بھی بڑی قوت ہوگی جسنے اُسے حرکت دی اور اُس میں حسبِ مرضی تصرف کیا"

اسپر اُسنے غور کرنے کی مہلت مانگی۔

چوتھی مجلس

دوسرے دن آنے کے ساتھ ہی کہنے لگا:

"جس چیز کو تم خدا کہتے ہو وہ محض "نظام" ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے. سٹوارٹ مل کہتا ہے: بلا استثنا تمام ظواہر اٹل قوانین کے ماتحت ہیں جن کی راہ میں کوئی طبیعی یا غیر طبیعی قوت حائل نہیں ہو سکتی"

میں " مل نے واقعی، علم منطق پر نفیس کتابیں تصنیف کی ہیں، کیا اچھا ہوتا اگر فلسفہ پر گفتگو کرتے وقت بھی وہ منطق ہی کی پیروی کرتا. مگر افسوس اس بحث میں آ کر وہ اپنی ساری منطق بھول جاتا ہے. وہ کہتا ہے "تمام ظواہر یعنی ستاروں کی حرکت، آلو کی پیداوار، کرکٹ کا کھیل - شراب کا نشہ" اگر وہ کہ صرف ستاروں ہی تک محدود رکھتا تو شاید ہم مخالفت میں زبان نہ کھول سکتے، مگر شراب، آلو، کرکٹ کے ذکر پر آ کر ہم اُسے فراموش کر سکتے ہیں، سادہ لوح کہہ سکتا ہے کہ ان امور کا کسی دوسری قوت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن عقلمند جانتا ہے کہ اٹل قوانین کے اندر کوئی حقیقی قوت موجود ہے جو نیکی اور تقویٰ کی طرف آدمی کو لے جاتی ہے. خود مل نے بھی اپنی منطقی کتاب میں تصریح کی ہے کہ اٹل قوانین کے اندر کوئی قوت مخفی ہے - یہ قوت، اگرچہ حکومت نہیں کرتی مگر موجود ضرور ہے پس اب بتاؤ "نیچر" سے تمھارا مقصود کیا ہے؟ "نیچر" اور نیچر کے قوانین میں کیا فرق ہے؟ میں ہکسلے اور ٹنڈل وغیرہ کی کتابیں پڑھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ خواص، عناصر، بجلی، کیمیا، نباتات، حیوانات، وغیرہ مباحث پر بڑے سلیقہ سے گفتگو کرتے ہیں، لیکن جہاں فلسفہ میں آئے اُنکے حواس گم ہو گئے، محض معمولی سطح کے آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگتے ہیں. - اُن کی تمام تر ذہانت اسپر صرف ہوتی ہے کہ "خدا"، "معجزہ" اور "خلق" کے الفاظ پر بحث شروع کر دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ ہنر دکھاتے ہیں کہ ان الفاظ کو دوسرے الفاظ "نیچر"، "فطرت"، "قانون"، "ارتقاء" سے بدل دیتے ہیں. میں "نیچر" اور "قانون" دونوں کی علحدہ علحدہ تعریف جاننا چاہتا ہوں. تم کہتے ہو قانون، قوتِ فعالہ ہے یعنی زبردست محرک. لیکن اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے. یہ محض فرضیات

نہیں بلکہ سراسر دعویٰ ہی دعویٰ ہے"

وہ "لیکن اب تمام علماء بالاتفاق یہی کہہ رہے ہیں کہ ہر چیز بلا کسی استثنا کے "قانون" ہی کے ذریعہ واقع ہوتی ہے"

میں "ہمارے ملک کی تمام تجارت، مال، کے ذریعہ چل رہی ہے لیکن ظاہر ہے خود مال اپنے ارادہ سے تجارت نہیں چلا رہا ہے۔ مال، قادر یا جاندار قوت نہیں ہے۔ تمام سلطنت قانون سے چل رہی ہے۔ مگر خود قانون حکمران نہیں ہے بلکہ جج اور مجسٹریٹ قانون کے بموجب عمل کرتے ہیں، کہا جاتا ہے نیچر میں کچھ قدیم موروثی قوتیں ہیں اور ڈارون کے بقول وہی فعّال و مؤثر قانونی قوت ہے جو نظام عالم میں جاری و ساری ہے۔ بہت بہتر۔ مگر آپ کچھ بہت دُور کی کوڑی نہیں لائے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کرے کہ "خدا" کے لفظ کی جگہ دو لفظ: نیچر اور قانون رکھ دیے۔ یعنی وہ اندھے، بہرے، گونگے وجود۔ تم تو اُن یونانیوں سے بھی بدتر ہو جو ایک نامعلوم دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ وجود میں کوئی ایک قوت یا فعّال ہستی موجود ہے۔ یا یہ کہ ہیڈروجینی انڈے میں حیات پائی گئی۔ لیکن اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ آخر یہ انڈا بنا کیسے؟ کیونکر محفوظ رہا؟ کس طرح ایسے عجیب رُوپ بھر سکا جو انتہائی عقل و ذہانت پر دال ہیں؟ سچ یہ ہے تم واجب الوجود خدا کی جگہ ایک غیر موجود کو بٹھاتے ہو حالانکہ ساتھ ہی ایک فعّال قوت کے وجود کو بھی مانتے ہو اور یہ کہ ذرات، ازلی ابدی قوتوں سے رُونما ہوئے ہیں۔ اب براہ عنایت مجھے بتادو کہ اس ہیڈروجینی انڈے کا جوڑا کس سے لگا؟ کیونکر لگا؟ کب لگا؟ کون اُس کے نیچے اپنے پیٹ کے نیچے رکھ کر سینے بیٹھا؟ کس نے بچہ پیدا کرایا؟ تمھیں "خدا" پسند نہیں "قانون" اور "نیچر" کے لفظوں پر فریفتہ ہوگئے ہو بہت بہتر۔ یہ رشتہ مبارک ہو اور پھل پھول لائے، لیکن تم یہ بتانے پر راضی نہیں کہ آخر "میاں قانون" نے "بی نیچر" سے کیونکر شادی کی اور بچے کیسے جنے؟ انسانی قلوب میں کوئی حکمران قوت ضرور موجود ہے لیکن ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "ہم اس قوت کو ہرگز نہیں جان سکتے" میں تم سے اس معاملہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ عقل، حس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے، مسٹر اسپنسر یہ بھی کہتا ہے کہ "نیچر ایک نامعلوم قوت کا مظہر ہے اور یہ کہ انسان اس قوت کے بھید سے قطعاً جاہل ہے" لیکن اسپنسر کیونکر سمجھ سکے کہ قانون قدرت کے پیچھے ایک قوت موجود ہے؟ نیز مسٹر ڈیل نے اس خیال کی کس بنیاد پر تائید کی اور کیوں یقین قائم کیا کہ ہم سبب اول کا علم کبھی حاصل نہیں کرسکتے۔ ان اقوال کی روشنی میں تم دیکھ سکتے ہو کہ مذہبوں اور اہل مذاہب میں فقط لفظی جھگڑا ہے۔ اہل مذاہب جس چیز کو "خدا" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں بعینہٖ اُسی چیز کو لامذہب نیچر کے مافوق قوت بتاتے ہیں، دونوں گروہ اس قوت کو فعّال اور ازلی ابدی قرار دیتے ہیں۔ سارا جھگڑا صرف لفظ "خدا" میں ہے"

وہ "لیکن فلاسفہ تمہارے خدا کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ تم نے اُسے ایک خاص شخصیت، اخلاق، اور عقلی و ذہنی اوصاف کا مالک بنا رکھا ہے"

میں "لیکن تم بھی تو تسلیم کرتے ہو کہ اگر وہ مافوق فطرت قوت معدوم ہوجائے تو کائنات میں کوئی چیز بھی رُونما نہیں ہوسکتی۔ پس تسلیم کرکے تم بھی میرے اس ایمان میں شریک ہوجاتے ہو کہ ایک فعّال قوت موجود ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا یہ قوت کوئی ایسا اثر ظاہر کرسکتی ہے جو اُس کے اندر ذاتی طور پر موجود نہیں؟ زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر وہ قوت خود عاقل و مدرک نہیں تھی تو اُس نے تمھیں کیونکر عاقل و مدرک بنادیا؟ تمھارے اندر یہ ذہانت و عقل کس سرچشمہ سے آئی؟"

وہ "مجھے اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے"

میں "درست! اور یہ بھی مسلّم ہے کہ تمھارے ایک جدِ امجد حضرت بندر بھی ہیں؟"

اس جملہ پر وہ خفا ہوگیا۔ میں معذرت کرکے آگے بڑھا،

"اسپنسر وغیرہ فلاسفہ تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر کے پردے ایک مجہول قوت موجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی بکواس کرتے ہیں۔ ذرات و جزیات کا ذکر کرتے ہیں، اُن کا حجم و وزن بتاتے ہیں اور اُنھیں جمع کرنے والی قوت کا بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر جب میں پوچھتا ہوں یہ ذرات و جزیات کیا چیز ہیں؟ تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ مثلاً کہتے ہیں "۶۴ عنصر موجود ہیں اور یہ سب ہیڈروجینی کی مختلف شکلیں ہیں" بہتر۔ لیکن خود ہیڈروجینی کیا ہے؟ کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ جواب ندارد۔ اصل یہ ہے فلاسفہ کا گروہ علم اور دین دونوں سے بے بہرہ ہے۔ قانون کشش کو بڑے شدّ و مد سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اسی قانون کے بموجب سیب زمین پر گرتا ہے۔ سورج، زمین کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور زمین، سورج کو۔ مانتا ہوں، مگر خود کشش، جذب، جاذبیت کیا چیز ہے؟ کوئی جواب نہیں ملتا۔ "ایتھر" کا ذکر کرتے ہیں جو ہوا سے کہیں زیادہ لطیف ہے۔ اور کہتے ہیں "روشنی اسی ایتھر کے اہتزاز و ارتعاش کا نتیجہ ہے" بہت خوب۔ مگر خود "ایتھر" کیا ہے؟ خاموشی! آخر مجبور ہوکر لائیگ تک کو اعتراف کرلینا پڑا کہ "ہمیں یقین ہے ہم اشیاء کی ماہیت و حقیقت نہیں جانتے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی یقین ہے کہ اشیاء کا سلسلہ معقول ہے"

اس پر گفتگو ختم ہوگئی۔

پانچویں مجلس

دوسرے دن پھر میں نے کہا:

"کیا تمھیں یقین ہے کہ ذرّہ سے لیکر سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان حتیٰ کہ انسان تک کی پوری زنجیر میں کوئی کڑی الگ نہیں ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں۔ اگرچہ پروفیسر ولیس کہتا ہے کہ نیچر میں متعدد ایسے دَور اور بکثرت ایسے حالات پائے گئے ہیں جن میں خارجی موثرات نے مداخلت کی ہے لیکن ڈارون نے اس قول سے اختلاف کیا ہے۔ اہل الذکر کی رائے اگرچہ قابل احترام ہے لیکن محض ایک بے دلیل دعویٰ ہے"

میں "ولیس یہ بھی تو کہتا ہے کہ "انسان میں موسیقی، ریاضی، ذہانت اور رقت کے اوصاف اُسے ہرگز اپنے اسلاف حیوانات سے ورثہ میں نہیں ملے ہیں"

وہ "یہ دعویٰ ہے مگر دلیل؟"

میں "نیز وہ کہتا ہے: انسان میں جو ایک خاص قابلیت ہے وہ اُس کے اندر ایک خاص روح یا طبیعت کا پتہ دیتی ہے"

وہ "لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں"

میں "اگر ہم اس علامہ کے قول سے متفق نہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ نیچر ایک اندھی بڑھیا تھی، اُس کے پیٹ میں مُردہ اندھے اور بہرے ذرات بھرے پڑے تھے جو تاریکی میں محض اتفاقات سے ٹکرائے اور پلے۔ حالانکہ اس فیلسوف کا نظریہ یہ ہے کہ "عالم مادہ میں ایک دوسرا عالم روح بھی ہے جو ذرات کی امداد کرتا اور اُن میں قوت و حرکت پیدا کرتا ہے"

وہ "لیکن یہ بھی دلیل نہیں"

میں "تم قائل ہو کہ بسائط (غیر مرکب) یا جزئیات یا ذرات اولین مادہ ہیں۔ یہی سب سے پہلے جوہر ہیں اور تمام کائنات انہی سے بنی، نیز تم یہ بھی مانتے ہو کہ یہ بسائط یا ذرات اپنی حرکت اور نشو و نما کے لئے ایک اور قوت کے محتاج تھے۔ لیکن جب میں تم سے اس قوت کی حقیقت دریافت کرتا ہوں تو تم سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ تمھاری پرواز یہ ہوسکتی ہے کہ نتائج و مظاہر دیکھ کر اس قوت کے متعلق کچھ سرسری رائے زنی کردو۔ لیکن مسٹر ولیس کا نظریہ یہ ہے کہ غیر معنوی ہوا سے اپنی تخم حیات پہنچ گیا۔ اسی تخم سے نباتات کا ظہور ہوا، نباتات سے حسّاس حیوان پیدا ہوا اور حساس حیوان سے عاقل و ذہین حیوان یا انسان ظاہر ہوا۔ یہ علامہ کہتا ہے "یہ تمام ادوار ایک عجیب دانائی اور مکمل نظام پر دلالت کرتے ہیں۔ اُنھیں دیکھ کر یقین ہوجاتا ہے کہ ایک عالم رُوحانی ضرور موجود ہے جس کی ہمہ گیری کے سامنے عالم مادی محض دوسرے درجہ کی چیز ہے"

وہ "یہ تو اس علامہ کا قول ہے مگر عالم روح کے وجود کا ثبوت؟"

میں "قطعی ثبوت پیش کرنا تو بہت مشکل ہے۔ لیکن ہمیں تمام نظریوں کو سامنے رکھ کر اُس نظریہ کو بہر حال قبول کرنا پڑتا ہے جو عقل سے زیادہ قریب ہو۔ جذب، اتصال، کشش یعنی یہ مقناطیسی قوت کہاں سے آئی؟ نظریہ ارتقاء ہمیں کوئی جواب نہیں دیتا۔ نیچر کا قانون ہے کہ سیب آسمان پر اُڑ کر نہیں چلا جاتا بلکہ ہمیشہ ٹوٹ کر زمین ہی پر گرتا ہے۔ لیکن کل میری بیوی اس قانون کی راہ میں سدِّ راہ ہوگئی۔ اُس نے سیب ہاتھ سے روک لیا اور زمین پر گرنے نہیں دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور مخفی قوت بھی ضرور موجود ہے"

وہ "اگر تم اُس عالم روح کا مجھے یقین دلادو تو از حد ممنون ہونگا"

صحبت کل کے لئے ملتوی ہوگئی۔

چھٹی مجلس

میں: "مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش سے پست ترین اقوام تک میں کوئی مذہب موجود تھا؟"

وہ "ہاں"

میں "تو انسان میں مذہب کا خیال اُسی طرح جبلّی ہے جس طرح چڑیوں میں اپنا گھونسلہ بنانے کا اور شہد کی مکھی میں چھتا طیار کرنے کا؟"

وہ "ہاں"

میں "مذہب کا یہ خیال انسان کی فطرت میں کیسے پیدا ہوا؟"

وہ "ترقی و ارتقاء کے ذریعہ"

میں "یعنی جس طرح سیب جنگلی سیب سے، بادام جنگلی بادام ترقی کرکے ظاہر ہوا ہے اُسی طرح انسان نے بندر کے درجے سے ترقی کی ہے؟"

وہ "ہاں، علماء و فلاسفہ کا یہی خیال ہے"

میں "تو بندر میں بھی، کہ جس سے انسان نے ترقی کی ہے، ضرور ناقص اخلاقی شعور یعنی ضمیر موجود ہوگا؟ ضرور ہے حیوانات میں اس قسم کا کچھ نہ کچھ شعور موجود ہو، ورنہ اُن کی ترقی یافتہ صورت انسان میں ہرگز نہ پایا جاتا... اگر یہ صحیح ہے تو انسان کی اخلاقی ذہنیت نے اسی بندر سے بتدریج ترقی کی ہوگی اور وہ آہستہ آہستہ مذہب، عقائد وغیرہ پر غور کرنے لگا ہوگا پھر مثلاً اُس نے تورات بنائی، اُس نے انجیل لکھی، قرآن مرتب کیا، اور دنیا میں مذہب پھیل گیا؟"

وہ "بیشک"

میں "تو اب ہمیں بندر سے اُتر کر سانپ بچھو، مچھلی اور چڑیوں کی بابت بھی یہی کہنا چاہئے کہ ان میں بھی یہ دینی شعور موجود تھا، پھر اور نیچے اُتر کر کیچڑ کو دیکھنا چاہئے جو مادۂ حیات کا ابتدائی سرچشمہ ہے۔ پھر چونکہ کیچڑ ننھے ننھے ذرات و جزئیات سے مرکب ہے اس لئے ان ذرات میں بھی اس شعور کو تسلیم کرنا چاہئے۔ پھر اور چند زینے نیچے اُتر کر ہیڈروجین یعنی اُسی انڈے کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہئے جو تمام کائنات کی اصل الاصول ہے اور اسکے بعد اب مان لینا چاہئے کہ اس انڈے میں بھی یہ شعور موجود تھا۔ واقعی یہ عجیب انڈا تمام معجزوں کا باپ ہے!"

وہ خفا ہوگیا کیونکہ میں نے معجزہ کا لفظ استعمال کیا تھا، کہنے لگا:

"عجیب کہئے مگر براہ عنایت معجزہ نہ کہئے"

میں "عجیب سہی، معجزہ نہ سہی"

اِس کے بعد میں نے سوال کیا:-

"کیا تم اسپنسر کے متبعین کا یہ عقیدہ تسلیم کرتے ہو کہ تمام ظواہر زمین و آسمان، ایک مجہول مخفی قوت کا اعلان ہیں جو اُن کے پسِ پردہ کار فرما ہے؟ اسی قوت کا نام میری بول چال میں "خدا" ہے"

اُسنے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا،

"انسان اپنے افعال و اعمال میں کچھ اختیار رکھتا ہے یا محض مشین کے ایک پُرزے کی طرح بغیر اپنے ارادہ و اختیار کے عمل کرتا ہے؟"

وہ "کاؤنٹ کا مذہب یہ ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے، قاتل اِس لئے قتل کا ارتکاب کرتا ہے کہ وہ اِس پر مجبور ہوتا ہے۔ قضا و قدر سے وہ بالکل بے بس ہو چکا ہوتا ہے"

میں "اِس عقیدے کے ماننے والوں کا علاج یہ ہے کہ سب ایک ساتھ پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں اور ہمیشہ کے لئے دُنیا کو اُن سے نجات دے دی جائے"

آخر میں میں نے ایک سوال کیا:

"ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں؟"

وہ "موت کی طرف۔ موت ہی ہم سب کی منزلِ مقصود ہے جس دن تم مرو گے، اُس دن سے تم معدوم ہو جاؤگے۔ یہ سچ ہے کہ جسم کے ذرّات غیر فانی ہیں، ہمیشہ باقی رہینگے۔ لیکن وہ چیز جسے تم شخصیت یا ضمیر کہتے ہیں، دائمی طور پر فنا ہو جائے گی۔ مجھے قیامت، یعنی دوسری زندگی کا ہرگز یقین نہیں ہے۔ میں دوبارہ زندگی کے لطف اُٹھانے کا متمنی نہیں ہوں۔ مرتے ہی، عدمِ محض طاری ہو جائے گا۔ روز لوگوں کو مرتے دیکھتے ہو۔ اُن کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ آخری سانس کے ٹوٹتے ہی عقلی قوئ ختم ہو جاتے ہیں اور انسان خاک میں مِل جاتا ہے، خاک ہی سے اُٹھا تھا، خاک ہی میں مل گیا۔۔ اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ!"

میں "تو تمھارا نظریۂ ارتقا، ایک منحوس مذہب ہے اور آخرت میں اُس سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، وہ انسان کو کس قدر جلد فنا کر دیتا ہے؟ پہلے تو وہ انسان کو ابدیت کا سبز باغ دکھاتا ہے اور جب وہ مسکین قبضہ میں آجاتا ہے تو نا اُمید کر کے چھوڑ دیتا ہے اس کے پاس بدبخت انسان کے لئے اُمید اور یقین کا کوئی سُراغ نہیں"

وہ "ہمیں حقیقت کی پیروی کرنا چاہئے، نتائج کو چھوڑ دینا چاہئے"

میں: "تو تمھارا عقیدہ ہے کہ عمر ختم ہونے پر جسمِ انسانی کے اجزا اور عناصر مضمحل ہو کر اپنا عمل چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی قوتِ اصلیہ محرکہ ختم ہو جاتی ہے اور پورا کارخانہ اچانک رُک جاتا ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر وہی طلسمی انڈا ہمارے سامنے آ موجود ہوتا ہے قدرتی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ انڈے میں کوئی محدود قوت پوشیدہ کر دی گئی تھی، جسی کو ایک معین زمانہ کے بعد وہ ہاتھ پاؤں ڈال دیتا ہے۔ اِس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو دائمی موت یا نئی زندگی کا آغاز، میرے دوست کیا یہ ممکن نہیں کہ جس نیچر نے ایک مرتبہ ہمارے طلسمی انڈے کو اپنی قوت کا مظہر بنایا تھا وہی کچھ مدت آرام لینے کے بعد پھر انگڑائی لے کر اُٹھے اور نئی قوت نئی مستعدی اور نئے چولے میں اپنی نمود کرے؟ یہ خیال ہماری خودداری اور شرف کے کس قدر خلاف ہے کہ ہمارا آغاز جنین کے نطفہ سے ہو اور خاتمہ دائمی فنا پر ہو جائے! یہ زندگی اور یہ موت دونوں نہایت مکروہ و نامبارک ہیں! انسان میں جو چیز سب سے افضل ہے یعنی اُس کی شخصیت، ضمیر، عقل، اور اگر خفا نہ ہو تو کہوں کہ روح، یہ سب تو فنا ہو جائیں اور ادنیٰ چیزیں، گوشت، پوست، ہڈیاں، کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ برقرار رہیں؟ یہ کیسی عجیب منطق کیسی عجیب مثلیت، اور کیسا عجیب فلسفہ ہے؟"

اِس گفتگو پر میرے مخاطب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ فکر سوچ میں پڑ گیا۔ دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہنے لگا "پھر ملینگے"،

استدراک

مضمون مندرجۂ صدر ایک انگریز اہلِ قلم مسٹر جیکب ہارڈر کی کتاب سے ماخوذ ہے جو حال میں شائع ہوئی ہے۔ ہم نے یہاں "ترجمہ" کی جگہ "اخذ" کا لفظ اِس لئے اختیار کیا کہ اُردو میں انگریزی تحریر کے مطالب بہ تصرف منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ انگریزی عبارت کا بجنسہٖ ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اِس قسم کے مطالب کو کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کا بہتر اور مؤثر طریقہ یہی ہے۔ بعض مقامات میں حذف و اضافہ بھی کیا گیا ہے جو ہمارے خیال میں ضروری تھا۔

تفریح و ترویح فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے

انگلستان میں ایک مشہور مسخرہ (ایکٹر) تھا اُس کے زمانہ میں کوئی آدمی بھی اِس فن میں اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، ایک مرتبہ وہ اپنا تھیٹر لے کر مانچسٹر گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مخلوق دیکھنے آئی۔ خیال کیا گیا کہ ایکٹر یہاں بہت کامیاب ہوگا۔ مگر اتفاق سے اُنھیں دنوں میں ایک خوبصورت رقاصہ بھی مانچسٹر پہونچی۔ یہ عورت اگرچہ اپنے فن میں ذرا بھی مہارت نہیں رکھتی تھی، لیکن تھی نہایت حسین اور دلفریب۔ پبلک نے سُنا تو ایکٹر کو چھوڑ کر رقاصہ کی طرف رُخ پھیر دیا۔ شہر کے ایک معزز آدمی نے یہ حالت دیکھی تو فن سے دلچسپی ظاہر کرنے کے لئے ایکٹر کے پاس گیا، اور ہمدردی کی راہ سے کہنے لگا "افسوس، لوگوں کو فن کی قدر نہیں۔ تمھارے جیسے ماہر کو چھوڑ کر اُس جاہل عورت کے ہو گئے ہیں!" ایکٹر نے فوراً جواب دیا "نہیں حضرت! افسوس نہ کیجئے، فن، نیچر کا مقابلہ نہیں کر سکتا" ایکٹر کا مقصد یہ تھا کہ میں تو صرف فن کا ماہر ہوں، لیکن رقاصہ، نیچر کی دولت یعنی حسن کی مالک ہے، میرا اُس کا کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے؟

ایک مرتبہ انگلستان کی ایک کمسن شاہزادی اپنی ماں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے لندن کی ایک سڑک پر جا رہی تھی۔ راستہ میں فاقہ زدہ مزدوروں کی ایک بڑی بھیڑ دکھائی دی جو غل مچا رہی تھی۔ شاہزادی نے اپنی ماں سے دریافت کیا "یہ کون لوگ ہیں اور کیوں چلا رہے ہیں؟" ماں نے جواب دیا "یہ مزدور ہیں، روٹی کے لئے پریشان ہیں" شاہزادی نے تعجب سے کہا "روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں خرید لیتے!"

پرنس آف ویلز کے متعلق مشہور ہے کہ بچپن میں ایک مرتبہ شاہی دعوت میں تھے۔ دسترخوان پر بڑے بڑے معزز لوگ جمع تھے اور بادشاہ اُن سے گفتگو میں مصروف تھا۔ کھانے کے دوران میں ولیعہد نے اچانک بادشاہ سے کہا "بابا، بابا!" بادشاہ نے لڑکے کو جھڑک دیا اور خاموش رہنے کا حکم دیا، جب گفتگو ختم ہوئی تو بادشاہ نے لڑکے سے کہا "کہو کیا کہتے تھے؟" ولیعہد نے کہا "اب کچھ نہیں۔ اُس وقت آپکے کیک میں ایک کیڑا تھا، میں اُسی کی بابت کہنا چاہتا تھا مگر آپنے مجھے چپ کر دیا اور کیڑا کھا گئے!"

شاہ ایڈورڈ کا قصہ ہے کہ ولیعہدی کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک مرتبہ اپنی والدہ ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا اور ۵ پونڈ طلب کئے۔ ملکہ نے روپیہ کے بجائے لمبا چوڑا خط بھیجا اور کفایت شعاری کی خوبیاں بتائیں۔ ایک ہفتہ بعد ولیعہد نے ماں کو شکریہ کا خط لکھا "آپکا خط موصول ہوا۔ اب مجھے ۵ پونڈ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں نے آپ کا خط ۲۰ پونڈ میں فروخت کر ڈالا!"

موجودہ شاہ جارج کے متعلق مشہور ہے کہ بچپن میں انھوں نے اپنی ایک کھلائی سے فرمائش کی کہ انھیں کوئی کہانی سُنائے۔ کھلائی نے کہا "نہیں تم خود کوئی کہانی لکھ کر مجھے سُناؤ۔ چنانچہ شہزادہ نے حسبِ ذیل کہانی لکھی:

"ایک حقیر جھونپڑے میں میاں بیوی رہتے تھے، دونوں بالکل مفلس تھے۔ کچھ بھی کھانے کو نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ دو دن گزر گئے اور انھیں کھانے کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملا۔ شوہر نے اپنی بیوی کو روتے دیکھ کر پوچھا،

"پیاری کیا بات ہے؟"

"بھوک سے میرا دم نکلا جاتا ہے" عورت نے روتے ہوئے جواب دیا۔

شوہر نے کہا "میں ابھی بندوبست کرتا ہوں"

چنانچہ وہ اُٹھا، گھنٹی بجائی، خادم دوڑا آیا، اور اُس نے اُس سے کہا "میری بیوی کے لئے ابھی پلیٹ میں روٹی اور مکھن لاؤ"

سنہ ۱۹۱۵ء میں مسٹر لائڈ جارج اپنی موٹر میں جا رہے تھے۔ راستہ میں شام ہو گئی۔ ڈرائیور موٹر روک کر اُترا اور لالٹین جلانے لگا۔ مسٹر لائڈ جارج بھی اُتر پڑے اور پیچھے کی بتی دیکھنے لگے۔ ڈرائیور اپنے کام سے فارغ ہو کر تیزی سے اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور موٹر چھوڑ دی، اُسے کیا معلوم تھا کہ لائڈ جارج گاڑی کے پیچھے کھڑے ہیں، موٹر جلدی اور یہ پیچھے کھڑے چلاتے رہ گئے، اب رات اندھیری ہو گئی تھی۔ لائڈ جارج سخت پریشان تھے، اُن کا مکان ۵ میل دور تھا، مجبوراً پیدل چلے تھوڑی دور پر پاگل خانہ تھا، اُنھوں نے خیال کیا شاید یہاں کوئی سواری مل جائے، اطمینان سے آگے بڑھے اور پھاٹک پر دستک دی، دربان آرام کر رہا تھا، دستک سُنکر خفا ہوا، اور دروازہ کھولا، وزیر نے اپنی ضرورت بیان کی اور موٹر کے لئے درخواست کی، مغرور دربان نے حقارت سے سر ہلایا اور دروازہ بند کرنے لگا۔ لائڈ جارج نے اُسے روکا اور کہا "تم جانتے نہیں میں وزیرِ مال ہوں!" دربان نے کہا "درست، درست! وزیر صاحب اسوقت ہمارے پاگل خانے میں آپ جیسے چھ وزیر بند ہیں، اگر پسند کریں تو اُن سے حضور کی ملاقات کرا دوں! بہتر یہ ہے کہ اسی سڑک پر سیدھے چلے جاؤ، زیادہ مسافت نہیں ہے۔ تڑکے تڑکے گھر پہنچ جاؤ گے!"

وزیر کو پھر کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی اور خاموش روانہ ہو گئے، مگر خوش قسمتی سے ڈرائیور اُن کی تلاش میں موٹر واپس لایا۔

ایک مرتبہ ایک دولتمند عورت نے اپنے محلہ کے تمام لڑکوں کی دعوت کی۔ لڑکے کھاتے جاتے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا "کل میرے باپ نے مجھے ایک چمچہ خرید کر دیا ہے جس پر لکھا ہے "باپ کا تحفہ بیٹے کو" اسپر دوسرے لڑکے نے کہا "بہت شیخی نہ بگھارو کل میرے باپ نے بھی مجھے ایک چمچہ دیا ہے جس پر لکھا ہے "فلاں ہوٹل" اِس طرح لڑکے نے اپنے باپ کی چوری نادانستہ کھول دی،

ایک فلسفی کہتا ہے "شادی کا مطلب یہ ہے کہ ۳ ہفتے تعارف کے، تین مہینے محبت کے، تین سال باہمی تکرار اور جھگڑے کے، پھر تیس سال درگزر اور چشم پوشی کے!"

بریدِ شرق

مکتوبِ انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

ٹرکی اور بلغاریہ

مشہور "معاہدۂ ٹیرانا" کے بعد بلقان میں ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ یہ معاہدہ اٹلی اور البانیا کے مابین اسی سال ہوا ہے اور اس کی رو سے البانیا تقریباً اٹلی کی ماتحتی میں آگیا ہے۔ اس معاہدہ نے یوگوسلاویا (سرویا) کو بہت ناراض کردیا ہے، اور اٹلی کے میدان میں آجانے کے بعد بلقان کا سیاسی توازن ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے بعد ہی اٹلی نے ہنگری سے بھی ایک معاہدہ حال ہی میں سرانجام دیا ہے اسنے صورت حال میں اور بھی زیادہ پیچیدگی پیدا کردی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عنقریب رومانیا بھی اٹلی کی گود میں جا رہا ہے۔ اور کوشش کی جارہی ہے کہ بلغاریہ کو بھی بلا لیا جائے، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بلقان میں ایک نئی سرگرمی رونما ہوئی ہے اور اٹلی، ہنگری، رومانیہ، البانیہ اور بلغاریہ کا جتھا بن گیا ہے یا عنقریب بن جانے والا ہے۔ اس جتھے کی اصلی غرض کیا ہے؟ دو سمجھی جاتی ہیں:

(۱) البانیہ پر اٹلی کا قبضہ

(۲) بالشویک روس کے خلاف مشرقی یورپ کی سلطنتوں کا اتحاد۔

درحقیقت یہ صورت حال برطانیہ کی خارجہ پالیسی نے پیدا کی ہے اور روس کے خلاف عالمگیر جہاد شروع کرنے کی طرف یہ اہم کا خطرناک عملی قدم ہے۔

اس بلقانی پیچیدگی نے یوگوسلاویا کی پوزیشن بہت خراب کردی ہے، وہ اس جتھے میں شریک نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ البانیہ پر اٹلی کا اقتدار اُسے کسی حال میں بھی گوارا نہیں ہوسکتا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہے اور اُس کی سلامتی کو واقعی خطرہ درپیش ہے۔ یوگوسلاویا کے بعد اس صورت حال کا سب سے زیادہ اثر ٹرکی پر پڑتا ہے، کیونکہ بلقان کی ہر تبدیلی اُس کے حال و مستقبل پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی بھی پریشان ہے اور یوگوسلاویا کے ساتھ علانیہ ہمدردی ظاہر کررہی ہے۔

ٹرکی کی بظاہر یہ کوشش ہے کہ مذکورۂ بالا جتھے کے مقابلہ میں یوگوسلاویا، بلغاریہ، یونان اور ٹرکی مل کر ایک جتھا قائم کریں۔ مگر اس راہ میں سخت مشکلات ہیں۔ یوگوسلاویا، بلغاریہ کے بہت سے علاقے دبائے بیٹھا ہے اس لئے بلغاریہ اُس سے ملنے پر طیار نہیں۔ ادھر یونان اپنی ناقابل فراموش بربادیوں کی وجہ سے ٹرکی کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ تاہم کوشش ہورہی ہے۔ اس کوشش کی ایک تازہ مثال وہ اہم مضمون ہے جو محمود بک نے اپنے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" میں بلغاریہ کے متعلق شائع کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ترکی جمہوریت نے بلغاریہ سے تعلقات بڑھانے میں ہر ممکن سعی کی اور پورے اخلاص سے کام لیا۔ چنانچہ ایک خاص سفیر صوفیا بھیجا اور تجارتی معاہدہ کے لئے گفت و شنید کی۔ بڑی جد و جہد کے بعد بالآخر معاہدہ پر دستخط ہوگئے۔ مگر بعض مخفی اسباب کی وجہ سے دوستانہ تعلقات پھر بھی قائم نہ ہوسکے۔ ہمیں تعجب ہے کہ بلغاریہ کا سرکاری اخبار "لابلگارہ" بلقانی اتحاد پر شرح و بسط سے گفتگو کرتا ہے مگر اس سلسلہ میں ٹرکی کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ بلغاریہ، بلقانی جتھے میں تنہا شامل ہوجانا چاہتا ہے مگر اپنے قریبی پڑوسی، ٹرکی، کا کوئی خیال نہیں کرتا۔"

اس کے جواب میں بلغاری اخبار کا یہ جملہ بہت معنی خیز ہے:

"محمود بک بلغاریہ کو الزام دیتے ہیں مگر یہ حقیقت بالکل بھول جاتے ہیں کہ بلغاریہ نے اب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ بلقانی اتحاد کی بحث درپیش ہے، لیکن اسے بلغاریہ نے پیش نہیں کیا ہے، بلغاریہ اس وقت اپنی داخلی مشکلات میں اس درجہ منہمک ہے کہ ہرگز اس قسم کے کسی اتحاد کا خیال نہیں کرسکتا۔ اٹلی سے بلغاریہ کے تعلقات دوستانہ ہیں اور اُن کی بنیاد بلقان کے امن و سلامتی پر ہے۔ پھر ترکی جمہوریت اور اُس کے محترم صدر سے بھی ہمارے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ ہم ٹرکی کے موجودہ انقلاب کی پوری عزت کرتے اور اُس کے حیرت انگیز نتائج سے ہرگز چشم پوشی نہیں کرسکتے۔"

بہرحال ۱۹۱۴ء کی طرح اسوقت بھی بلقان کی گتھی بہت زیادہ اُلجھی ہوئی ہے۔ مستقبل کے متعلق سردست پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔

پورا ملک سپاہی بنجائے

قومی مدافعت کی کمیٹی کے اُس مسودۂ قانون کو تحقیقاتی کمیٹی نے پاس کرکے وزارت کے حوالہ کردیا ہے جو تمام ملک کو سپاہی بنا دینے کے متعلق ادھر ایک برس سے زیر غور تھا۔ وزارت نے بھی اسے منظور کرلیا ہے اور عنقریب پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے والی ہے۔

اس مہتم بالشان قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ بیس سال کی عمر سے ۴۶ سال کی عمر تک ہر باشندہ فوجی خدمت کے لائق ہے۔ فوجی خدمت جبری ہوگی۔ پیدل فوج میں خدمت کی مدت ڈیڑھ سال ہے۔ جنگی موسیقی میں دو سال۔ جندرمہ میں ڈھائی سال اور بحری فوج میں تین سال۔ بحری فوج، جندرمہ اور افسروں کے مدرسہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی رضاکار منظور نہیں کیا جائے گا۔

اس قانون نے طالب علموں کے لئے بڑی سہولتیں پیدا کردی ہیں اعلیٰ تعلیم یافتوں کے لئے فوجی خدمت کی مدت صرف ۶ مہینے رکھی گئی ہے۔ ثانوی (سکنڈری) تعلیم پانے والوں کے لئے ۸ مہینے ابتدائی ڈگری حاصل کرنے والوں کے لئے دس مہینے۔ نیچے درجوں میں پڑھنے والے طالب علم اُسوقت تک معاف ہیں جب تک اپنی تعلیم ختم نہ کرلیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ زمانہ انتیس ۲۹ سال کی عمر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ جو طالب علم اس عمر میں بھی فارغ التحصیل نہیں ہوگا اُسے فوجی خدمت میں زبردستی داخل کردیا جائے گا، جو لوگ فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنا چاہتے ہیں اُنھیں چھ سو ترکی پونڈ ادا کرنا چاہئے۔ نیز کم از کم ۶ مہینے کسی مقام پر جنگی قواعد سیکھنی چاہئے۔

اس قانون سے حکومت کا صاف مقصد یہ ہے کہ پوری ترکی قوم کو سپاہی بنا دینا چاہتی ہے، یہ موجودہ حکومت کی بیدار مغزی اور دور اندیشی کی ایک بیّن دلیل ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے نتائج مستقبل قریب میں نہایت شاندار ظاہر ہونگے۔

ٹرکی کا میزانیہ

۱۹۲۷ء کے میزانیہ (بجٹ) کی تحقیقات ختم ہوگئی۔ اعداد شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی آمدنی ۱۹،۴۵،۵۴،۸۰،۰۵۵ ترکی پونڈ ہے اور خرچ ۱۹،۴۴،۱۷،۴۴۰۰ پونڈ ہے۔ یعنی آمدنی خرچ سے کسی قدر زیادہ ہی ہے۔

کمیٹی کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بری بحری فوج، جندرمہ (یعنی فوجی پولیس) اور چند دوسرے محکموں کے علاوہ حکومت کے پاس ۴۸،۷۲۰ چھوٹے بڑے عہدے دار اور ۹،۷۸۱ معمولی ملازم اور خدمت گار ہیں۔

ذیل کے نقشہ سے موجودہ سال کے مصارف کی اہم مدیں معلوم ہوں گی:

قومی پارلیمنٹ	۱۹،۹۶،۱۴۴	پونڈ ترکی
صدر جمہوریت کا عملہ	۲،۱۳،۰۳۴	″
محکمۂ حسابات	۴،۴۴،۳۳۵	″
محکمۂ مشورت	۲،۳۴،۴۲۴	″
صدر معاملات مذہبی کا عملہ	۱۷،۹۶،۲۴۰	″
وزارت مال	۲،۹۲،۸۱،۸۱۱	″
عام قرضے	۹۸،۷۴،۷۰۹	″
وزارت داخلیہ	۵۸،۷۲،۷۷۴	″
ڈاک اور تار	۵۴،۷۱،۵۶۸	″
امن عام	۵۹،۵۵،۶۳۲	″
جندرمہ	۵۱،۹۵،۲۹۲	″
مہاجرین کی آبادی	۲۵،۷۵،۸۵۹	″
وزارت خارجیہ	۳۲،۱۴،۰۹۶	″
مطبوعات	۳،۹۴،۰۶۸	″
محکمۂ حفظان صحت	۳۲،۰۲،۸۸۰	″
محکمۂ عدالت	۵۱،۹۵،۷۵۶	″
وزارت تعلیم	۶۱،۵۸،۹۳۰	″
پبلک ورکس	۲،۵۷،۲۳،۰۴۲	″
وزارت تجارت	۱۰،۰۵،۶۱۱	″
بندرگاہوں کا محکمہ	۴،۲۴،۱۲۳	″
وزارت زراعت	۳۷،۲۷،۲۹۸	″
وزارت جنگ	۵،۸۰،۹۶،۱۳۴	″
جنگی ضروریات	۵۱،۹۰،۴۵۷	″
محکمۂ نقشہ کشی	۷،۴۵،۰۶۷	″
وزارت بحر	۵۶،۲۷،۱۸۰	″

محکمۂ قانون و عدالت

بجٹ پر بحث کے سلسلہ میں حکومت کے مختلف شعبوں کی کارگزاری پر بھی پارلیمنٹ میں دلچسپ تبصرے ہورہے ہیں۔ چنانچہ محمود اسعد بک نے محکمۂ عدالت کے متعلق حسب ذیل تصریحات کیں۔

"عدالتوں کی وزارت پوری کوشش کررہی ہے کہ اپنے عہدے داروں کو خوشحال بنادے۔ تاکہ وہ دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں کی تنخواہ پہلے ۱۹۰ پونڈ تھی اب ۴۰۰ پونڈ (ترکی) ماہوار کردی گئی ہے۔ اسی طرح تمام عہدہ داروں کی تنخواہ میں ۹۵ فی صدی کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ اس وقت پورے ملک میں سات سو سے زیادہ چھوٹی بڑی عدالتیں موجود ہیں۔ وزارت نے پوری کوشش کی ہے کہ اُس کے تمام ملازم، مدارس کے باقاعدہ تعلیم یافتہ ہوں۔ چنانچہ خاص اس مقصد سے اُسنے بکثرت تعلیم گاہیں جاری کی ہیں، وزارت کی مستعدی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس قلیل مدت میں اُس کے ۸۰ فیصدی ملازم باضابطہ تعلیم یافتہ ہوگئے ہیں، انگورہ کے مدرسۂ قانون (لا کالج) میں جو صرف ۲ سال پہلے جاری ہوا ہے، اسوقت ۶۰۰ طالب علم موجود ہیں۔ سال رواں

کے ختم ہونے سے پہلے اُن کی تعداد ۹۰۰ تک پہنچ جائے گی، وزارت کا ایک بڑا کارنامہ، وہ قانون ہو جو حکام کے لئے بنایا گیا ہو، اس قانون نے حکام کے فرائض و اختیارات صاف صاف واضح کردئے ہیں اور اُنھیں بے سبب معزولی کے خطرہ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا ہے"

تعزیری قوانین کے متعلق وزیر نے بیان کیا:

"ضابطۂ قوانین صرف دس مہینے سے جاری ہوا ہو، پہلے ضابطہ میں صرف ۲۰۶ دفعات تھیں مگر اسمیں ۴۲۰ دفعات ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پہلے انصاف کی جو راہیں بند تھیں، اب کھل گئی ہیں۔ پہلے انصاف، سب کے لئے یکساں نہ تھا، امیروں اور طاقت وروں کے ساتھ رعایتیں کی جاتی تھیں اور غریبوں اور کمزوروں کا حق مارا جاتا تھا۔ مگر اب یہ ناممکن ہو۔ قانون کی نظر میں سب بالکل برابر ہوگئے ہیں"

وزیر کے بیان میں سب سے اہم حصہ وہ تھا جس میں اُنھوں نے موجودہ ترکی عدالتوں کی حیثیت کے متعلق یورپین مبصروں کی شہادتیں پیش کی تھیں، اُنھوں نے کہا۔

"معاہدۂ لوزان کے بموجب ہمنے ۵ سال کے لئے چار یورپین قانونی مشیر ملازم رکھے تھے۔ ہم نے اُن سے اپنی عدالتوں کی موجودہ حیثیت کے متعلق رپورٹ طلب کی تھی۔ اُنھوں نے اب یہ رپورٹ پیش کردی ہو۔ وہ لکھتے ہیں" اس تمام مدت میں ترکی عدالتوں کے خلاف ہمارے سامنے ۴ شکایتیں پیش ہوئیں۔ ہم نے جانچ کرکے معلوم کرلیا کہ وہ سب کی سب بالکل بہتان ہیں۔ ہماری ملازمت عنقریب ختم ہونے والی ہو۔ ہم اپنے ملکوں کو واپس جائیں گے اور ہر جگہ یہ اعلان کرینگے کہ موجودہ ترکی عدالتیں، اپنے افسروں کی دیانت، قابلیت، انصاف پسندی، اور مقدمات کے جلد سے جلد فیصلہ کردینے کی وجہ سے دُنیا کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ عدالتوں سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں ہیں"

وزارت تعلیم

مصطفیٰ نجاتی بک وزیر تعلیم نے اپنے محکمہ کے متعلق بیان کیا:

"۱۹۲۶ء میں ابتدائی مدارس کی تعداد ۵۶۵۵ تھی، مدرسوں کی تعداد ۱۰۱۵۳۹ اور طالب علموں کی ۳۴۶۴۵۹ تھی لیکن اب مدرسے ۷۸۸۵ ہیں، مدرس ۱۱۷۶۶ ہیں اور طالب علم ۲۸۵۴۵۵ ہیں"

اس کے بعد وزیر نے پوری تفصیل سے اپنی وزارت کی کوششوں پر تبصرہ کیا اور بتایا ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں کیا کیا ترقیاں ہوئی ہیں۔ پھر تعلیم و تربیت کے اُس بورڈ کا ذکر کیا جو انگورہ میں قائم ہوا ہے۔ نیز تعلیمی انسپکٹروں کی کارگزاریاں سنائیں جو تمام ملک میں دورہ کرتے پھرتے ہیں، اُنھوں نے اپنی تقریر اس تصریح پر ختم کی۔

"اب سے پہلے ہمارے ملک میں تعلیم نہ دنیا کے لئے مفید تھی نہ دین کے لئے، لیکن اب اُس کی حالت بالکل بدل گئی ہو۔ اب ہماری تعلیم ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو، دل و دماغ کو آزاد کرتی ہو۔ جدید ترین علمی اصول پر جاری ہو۔ ترکی قومیت کا جذبہ جگاتی ہو، ترکی قوم کو صحیح معنوں میں زندہ قوم بنا رہی ہو۔ مختصر یہ کہ اب ہماری تعلیم کا مطمح نظر ترکی صدر جمہوریت کے لفظوں میں یہ ہو۔

"تعلیم کی غرض یہ نہیں ہونی چاہئے کہ اُس سے مستفید ہوکر لوگ بالکل اور مغرور بنیں۔ تعلیم کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اپنی مادی و معنوی زندگی میں کامیابی حاصل کی جائے"

بری و بحری فوج

جب بک وزیر جنگ نے بری فوج کے متعلق یہ نہایت مختصر مگر اہم تصریح کی۔

"جمہوری فوج، اپنے جملہ آلات و ترتیبات کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو۔ فوج کی صحیح حالت بیان کرنے کے لئے میں صرف اسی قدر کہوں گا کہ وہ مستقبل قریب میں وطن مقدس کی کامیاب حفاظت کے لئے پوری طرح آراستہ ہو۔ مستقبل قریب سے میری مُراد یہ ہو کہ "کل"!

وزیر بحر احسان بک نے کہا:

"بحری وزارت جمہوری بیڑے کی تقویت کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہو"

ہیٹ کا قضیہ

جزیرۂ قبرص کے شرعی محکمہ نے ایک مسلمان کو اس جرم پر میراث پانے سے محروم کردیا ہے کہ اُسنے ہیٹ پہننا شروع کردیا ہو۔ ٹرکی میں یہ خبر پہنچی تو اخبارات کے نامہ نگار یہاں کے مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے سوال کیا۔ مفتی کا جواب حسب ذیل تھا:

"ٹرکی میں لاکھوں مومن، ہیٹ پہنتے ہیں۔ مگر اس سے اُن کے دینی عقائد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ قبرص کے شرعی محکمہ کا یہ حکم، جہالت، تعصب اور ریاکاری پر مبنی ہو۔ شریعت کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں"

مزدوروں کا قانون

عنقریب انگورہ کی قومی پارلیمنٹ اُس مسودۂ قانون پر غور کرنے والی ہو جو مزدوروں اور کارخانہ داروں کے متعلق طیار کیا گیا ہو۔

اس قانون کا خلاصہ یہ ہو کہ دس سال سے کم عمر بچوں کو مزدور نہیں بنایا جائے گا۔ مزدوری کا وقت روزانہ دس گھنٹے ہوگا۔ درمیان میں ایک گھنٹہ آرام کے لئے مخصوص ہوگا لیکن اگر کوئی ناگزیر ضرورت پیش آجائے تو حکومت کی اجازت سے بارہ گھنٹے بھی مزدوروں سے کام لیا جاسکتا ہو۔ مگر اس صورت میں زیادہ گھنٹوں کی مزدوری دگنی دی جائے گی اور اس کے بعد مزدور کو بارہ گھنٹے آرام کے لئے دیئے جائیں گے۔ کوئی مزدور اچانک کام سے علٰحدہ نہیں کیا جاسکے گا۔ طرفین کو پندرہ دن پہلے نوٹس دینا ضروری ہو۔ علٰحدگی کے وقت مزدور کو اُس کی پوری اُجرت دی جائے گی۔ کارخانہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کی تندرستی کی حفاظت کریں۔ اُنکے لئے مفت دواخانے اور ڈاکٹر مہیا کریں اور اُنھیں زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش کریں۔ جو مزدور کام کے دوران میں مرجائیں، اُن کی تجہیز و تکفین کارخانہ داروں کے ذمہ ہوگی۔ نیز اُنکے خاندان کو اُن کی روزانہ مزدوری کا چھ سو گنا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

پٹرول کے چشمے

عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر کا قائم کردہ صنعتی و تجارتی بنک "موفتہ" اور "شارکوئی" کے علاقہ میں پٹرول کے چشمے تلاش کررہا ہے۔ حکومت نے اُسے زمین کھودنے کی اجازت دے دی ہو اگر یہ چشمے مل گئے تو اُن سے کام لینے کے لئے بنک سرمایہ داروں سے معاملہ طے کرے گا۔

ترکی کلب

جدید قومی حرکت کے ساتھ اناطولیہ کے طول و عرض میں بکثرت کلب قائم ہوگئے تھے، یہ کلب پچھلے نازک زمانہ میں وطنی جہاد کے مرکز تھے، اور اب امن کے زمانہ میں قومیت کے مدرسے بن گئے ہیں۔ حال میں تمام کلب گھروں کی ایک بڑی کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی، دو سو دس نمائندے مختلف علاقوں سے منتخب ہوکر شریک ہوئے۔ محمود اسعد بک وزیر محاکم عدالت نے صدارت کی۔ اُن کا خطبہ اس جملہ سے شروع ہوا "جمہوریت ہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ترکی کلب قائم ہیں" اور اس عبارت پر ختم ہوا "قومی جذبہ جیسا کہ ہمارا وطنی شاعر کہتا ہو: ایک بے روک سیلاب ہو جو زمانہ کا شکم توڑ کر بہتا اور راہ کی تمام رکاوٹیں اپنی قوت قاہرہ سے دُور پھینک دیتا ہے" میں اسپر یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ قومی جذبہ، روشن حقیقت کا سیلاب ہو جو تمام تاریکیاں نابود کردیتا ہو اور قوموں کو اُن کی قومی زندگی کی درخشاں صبح میں پہنچا دیتا ہو"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔

منیجر "الہلال" کلکتہ

مکتوب مِصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

جدید وزارت

عدلی پاشا یکن کی وزارت پچھلے دنوں مستعفی ہوگئی تھی۔ استعفا کا سبب بالکل معمولی تھا۔ پارلیمنٹ میں مصری بنک کی اعانت کے سلسلہ میں بعض ممبروں نے تجویز پیش کی تھی کہ اس اعانت پر وزارت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ مجلس نے اتنی ذرا سی بات پر شکریہ غیر ضروری سمجھا اور تجویز مسترد کردی۔ وزارت نے پارلیمنٹ کے اس فعل کو بے اعتمادی پر محمول کیا اور استعفا دیدیا۔ حالانکہ یہ محض غلط فہمی تھی جیسا کہ سرکاری طور پر اعلان ہوچکا ہو۔ لیکن چونکہ استعفا پیش کیا جاچکا تھا اس لئے وزارت نے واپس لینے میں اپنی سُبکی دیکھی اور فیصلہ پر قائم رہی۔

مقام مسرت ہو کہ اس واقعہ سے سیاسی پارٹیوں کے اتحاد میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ مصر کے برطانی "دوستوں" نے اس کی بہت کوشش کی تھی۔ چنانچہ نئی وزارت میں پارٹیوں کا وہی تناسب ہے جو پُرانی وزارت میں تھا۔ بلکہ اُس کے تمام رُکن بھی وہی ہیں جو سابق وزارت میں تھے۔ صرف سابق وزیر اعظم عدلی پاشا نہیں ہیں لیکن اُنھی کی پارٹی کے ایک رُکن عبدالخالق ثروت پاشا وزیر اعظم ہیں۔

مصر ٹرکی کی روش اختیار کررہا ہو

ٹرکی کے موجودہ انقلاب نے مصر کی اجتماعی و ذہنی حالت پر بہت اثر ڈالا ہو۔ مصر اگرچہ موجودہ تمدن سے مدت ہوئی متأثر ہوچکا تھا لیکن علماء ازہر کا رسمی اقتدار نئی اصلاحات کا مخالف تھا، اور نیا طبقہ ان کی مخالفت پر قادر نہ تھا۔ اب ترکی انقلاب نے ملک میں ایک نئی ذہنیت پیدا کردی ہو۔ مواد پہلے سے پختہ ہوچکا تھا۔ ایک نئی جنبش کی ضرورت تھی اور وہ ٹرکی کے انقلاب سے پیدا ہوگئی۔ اب اچانک صورت حال اسدرجہ منقلب ہوگئی ہو کہ معلوم ہوتا ہو ازہر کا اقتدار بھی ختم ہوچکا ہو۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور موجودہ پارلیمنٹ، دونوں کی کوشش ہو کہ ٹرکی کی طرح مصر کی سیاسی زندگی پر سے بھی سرکاری علماء کا اقتدار اُٹھادیں تاکہ سیاسی اصلاحات بے روک ٹوک نافذ کی جاسکیں لیکن جو لوگ قدیم و جدید کی نزاع میں معتدل روش رکھتے ہیں وہ یہ خطرہ پر اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ علماء قدیم کے جمود کا یہ رد عمل (ری ایکشن) افراط و تفریط تک پہنچ جائے گا۔

یہ جد و جہد اخبارات کے کالموں، کتابوں کے صفحوں، پارلیمنٹ کے جلسوں، مقرروں کی تقریروں، اسکولوں کے کمروں، حتیٰ کہ چائے خانوں تک میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہو۔ علماء پر بُری طرح لے دے ہورہی ہو اور اُنھیں ترقی و اصلاح کا دشمن ثابت کیا جا رہا ہے۔ یہ جد و جہد اتنی وسیع اور قوی ہو کہ علماء اُس کے مقابلہ میں پیچھے ہٹتے چلے جارہے ہیں اور شکستوں پر شکستیں اُٹھا رہے ہیں چنانچہ نکاح و طلاق اور تعدد ازدواج کے مسائل میں علماء ازہر کی رائے کے خلاف حکومت نے بے تأمل فیصلہ کردیا۔ نئے اصلاحی قوانین معیشت کے سلسلے میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔

علماء ازہر کی بے وقعتی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہو کہ گزشتہ پارلیمنٹ میں شیخ الازہر پر خیانت، غبن، اور فریب دہی کا علانیہ الزام لگایا گیا، اور سربرآوردہ ممبروں نے مطالبہ کیا کہ اُن پر مقدمہ چلایا جائے۔ اس معاملہ کا تعلق اُس خلافت کانفرنس سے تھا جو دو برس پہلے علماء ازہر نے منعقد کی تھی۔ شیخ ازہر نے محکمۂ اوقاف سے تین ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) یہ کہکر وصول کئے تھے کہ دینی مدارس پر خرچ کئے جائیں گے، لیکن اب یہ راز طشت از بام ہوگیا ہو کہ یہ تلم

رقم خلافت کانفرنس پر صرف کر دی گئی - اخبارات نے اس معاملہ کو بہت اُبھارا اور علماء کے خلاف مظاہرہ شروع کر دیا حتیٰ کہ بات پارلیمنٹ تک پہنچ گئی - یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شیخ ازہر کی حیثیت محض ایک عالم اور پرنسپل ہی کی نہیں ہو اُن کا درجہ مصر میں وہی تھا جو ٹرکی میں "شیخ الاسلام" کا تھا وہ ہمیشہ اس لقب سے مخاطب بھی کئے جاتے تھے - مگر دوران بحث میں پارلیمنٹ کے ممبروں نے صاف اعلان کر دیا کہ "مصر میں شیخ الاسلام کا کوئی عہدہ نہیں ہے" اس اہم اعلان پر نہ کسی ممبر نے اعتراض کیا نہ صدر نے ٹوکنے کی ضرورت محسوس کی - گویا عملاً مان لیا گیا کہ مصر کسی شیخ الاسلام کا وجود تسلیم نہیں کرتا!

یہ اور اسی قسم کے واقعات یقین دلاتے ہیں کہ مصر میں بھی ٹرکی جیسا ایک انقلاب انگیز ذہنی انقلاب جلد رونما ہونے والا ہے - در اصل بلاد اسلامیہ کے لئے اب اس انقلاب کی منزل سے گزرنا ناگزیر ہو گیا ہے - علماء قدیم اصلاح و تجدید کی جگہ اصلاح کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہیں - زمانہ کا مزاج اس سختی کا متحمل نہیں - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی معتدل اور صحیح امتزاجی حالت کی جگہ ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے - پہلے افراط تھی، تو اب تفریط کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے - ٹرکی میں یہی ہوا - مصر میں ہو رہا ہے، اور دیگر اسلامی ممالک بھی جلد یا بدیر اسی حالت میں مبتلا ہونے والے ہیں - شاید اس افراط و تفریط کے بعد اعتدال و قوام کا دَور شروع ہو - بظاہر حال تو اصحاب اعتدال کے لئے کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی -

عربی انسائیکلوپیڈیا

مصر میں علمی بیداری غیر معمولی وسعت اختیار کر رہی ہے - جنگ کے بعد سے رفتار ترقی بہت تیز ہو گئی ہے - اچھے اچھے اہل علم و قلم پیدا ہو گئے ہیں - بڑی سرگرمی سے کوشش ہو رہی ہے کہ ملک جلد سے جلد متمدن ملکوں کے قریب پہنچ جائے - اسوقت تصنیف و ترجمہ کی سطح بھی سابق سے بلند ہو گئی ہے - قومی اخبارات نے بھی بہت زیادہ ترقی کی ہے اور قریب ہے کہ یورپین اخبارات کے درجہ پر پہنچ جائیں -

اس سلسلہ میں سب سے اہم تجویز عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کی تجویز ہے - یہ تجویز اگرچہ پرانی ہے اور گیارہ جلدوں کی ایک ابتدائی دائرۃ المعارف موجود بھی ہے لیکن اُس پر پہلے کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا تھا اب خود حکومت نے اس کی طرف عملی قدم اُٹھایا ہے - وزیر اعظم اور وزیر تعلیم دونوں نے ملکر ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کا کام یہ ہوگا کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے طریقوں پر غور کرے - وزیر اعظم نے تصریح کی ہے کہ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں کی انسائیکلوپیڈیا کا عربی زبان میں حذف و اضافہ کے ساتھ ترجمہ عربی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کی بہترین صورت ہے - ملک کے علمی حلقے اس رائے کی تائید کر رہے ہیں - بلکہ بعض اہل علم نے تو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقدمہ کا ترجمہ بھی شروع کر دیا ہے - ایک موقر مصری اخبار نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے اُس کی انڈیکس (یعنی فہرست اسماء و الفاظ) ترجمہ کر لی جائے تاکہ علمی اصطلاحات کے وضع و انتخاب کا مرحلہ طے ہو جائے - عربی انسائیکلوپیڈیا کی تجویز جس درجہ اہم ہے، حاجت بیان نہیں لیکن ہمیں اس رائے سے قطعاً اختلاف ہے کہ انگریزی اور فرنچ انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ حصول مقصد کے لئے کافی ہوگا - بغیر مستقل ادارۂ تصنیف و ترتیب کے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اور جب خود حکومت کا محکمۂ تعلیم اس کے لئے آمادہ ہو گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس درجہ کا اہتمام ناقابل عمل ہو -

عربی کا موجودہ ملک الشعراء

چند دن ہوئے مصر میں بڑی ادبی چہل پہل دیکھی گئی - اسمیں تقریباً تمام سربرآوردہ ادباء و شعراء نے حصہ لیا - صرف مصر ہی کے ادباء نے نہیں بلکہ فلسطین، شام، عراق، بحرین وغیرہ عربی ممالک نے بھی کافی دلچسپی ظاہر کی - بہت سے ادیب و شاعر بذات خود آکر شریک ہوئے، بہتوں نے اپنا کلام بھیجا - تقریب یہ تھی کہ مصر کے مشہور اور سابق وہ باری شاعر احمد شوقی بک کے کمال فن کے اعتراف میں قومی مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مؤتمر عربی (عربی کانفرنس) منعقد کی جائے، سلطان مصر نے مؤتمر کی سرپرستی کی اور جملہ ارکان حکومت اور اسلامی سلطنتوں کے سفراء شریک ہوئے -

مؤتمر کے جلسے کئی روز تک جاری رہے - عربی زبان اور اُسکی شاعری پر مبسوط مضامین پڑھے گئے - جشن تہنیت کے قصیدے سنائے گئے - فلسطین کے مفتی اعظم سید امین حسینی اور بہود دیاں کے "حاخام اکبر" بھی مؤتمر کی شرکت کی غرض سے مصر آئے تھے -

در اصل مصریوں میں وطنیت کے جذبات بہت ترقی کر گئے ہیں، وہ اپنے وطن کی عزت بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور انہیں کبھی کبھی حد اعتدال سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں - مثال میں خود یہی واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے - بلاشبہ احمد شوقی موجودہ عصر کے کہنہ مشق شاعر ہیں - مگر اُس درجے نہیں جو مصریوں نے اپنی مبالغہ پسندی سے انھیں دے دیا ہے - انھیں "امیر الشعراء" اور "ملک الشعراء" کا خطاب دینا اصلیت سے زیادہ ہے وقت کے عربی شعرا میں ان سے بلند پایہ رکھنے والے شعرا خود مصر میں موجود ہیں -

ہمارے خیال میں عراق کے مشہور فلسفی شاعر جمیل صدقی زہاوی نے شوقی پر صحیح تنقید کی ہے - ہم اُسے یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے - زہاوی لکھتے ہیں :

"شوقی بڑے شاعر ہیں مگر ملک الشعراء نہیں ہیں - شوقی حال کے نہیں ماضی کے شاعر ہیں - شوقی آگے کی طرف چل رہے ہیں مگر اُن کا چہرہ پیچھے کی طرف مڑا ہوا ہے - موجودہ عربی نسل انھیں اس لئے پسند کرتی ہے کہ اُن کا کلام اُس کی ذہنیت و ذوق کے مطابق ہے - لیکن جب عربی عقل و ذہنیت مستقبل قریب میں اپنی موجودہ سطح سے بلند ہو جائے گی تو شوقی کا شعر مر جائے گا"

بہرحال یہ مظاہرہ نہایت شاندار اور پُر اثر تھا - کئی دن تک عظیم الشان اجتماع جاری رہا جسمیں تمام ادباء و شعراء عصر کے برقی اور بریدی پیام نظم و نثر سنائے گئے اور شرکاء نے تقریریں کیں - تیسرے دن رات کو ایک عالیشان ڈنر ہوا -

مسٹر فلبی اور حجاز

مشہور انگریز مستشرق مسٹر فلبی جو کچھ عرصہ سے جدہ میں مقیم ہیں، پچھلے دنوں مصر آئے تھے - مصری اخبارات نے اُن کی حسب ذیل گفتگو شائع کی ہے :

"میں حجاز کی موجودہ تاریخ مرتب کر رہا ہوں - اسمیں شریف حسین کی خود مختاری کے دن سے سلطان ابن سعود کے قبضہ تک تمام مستند حالات جمع کئے جائیں گے - اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں جزیرہ نمائے عرب کی مفصل تاریخ لکھوں گا - کیونکہ ایک انگریزی کمپنی نے اس کی فرمائش کی ہے"

سلطان ابن سعود کی شخصیت کے بارے میں مسٹر فلبی نے کہا :

"مجھے پورا یقین ہے کہ ابن سعود موجودہ زمانہ کے عظیم ترین آدمیوں میں سے ہے - وہ صرف سپہ سالار اور مدبر ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے - بلاشبہ اب تک دُنیا نے اُنکی صرف جنگی قابلیت ہی دیکھی ہے، انتظامی قابلیت نہیں دیکھی ہے - لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ انتظامی قابلیت میں کم درجہ ہیں - انتظامی قابلیت ملک کی تنظیم و ترتیب اور سیاسی اصلاحات کا نام ہے - یہ چیز ہفتوں اور مہینوں میں ظاہر نہیں ہو سکتی - ابن سعود کی انتظامی قابلیت کا یہ کارنامہ کیا کم ہے کہ اُنھوں نے نہایت قلیل مدت کے اندر حجاز میں ایسا امن امان قائم کر دیا جیسا اس ملک میں عرصہ سے نہیں دیکھا گیا ہے"

"مسئلہ خلافت" کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا :

"مجھے نہیں معلوم ابن سعود منصب خلافت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں لیکن مجھے بتحقیق معلوم ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں - مجھے جہاں تک اس شخص کی ذہنیت کا پتہ چلا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ خود کسی چیز کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے الا یہ کہ وہ خود اُنکے سامنے آجائے - فتح حجاز کی بابت بھی اُنھوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ خود بخود حاصل ہو گئی"

یمن و نجد کی کشیدگی کے متعلق اُنھوں نے کہا :

"ابن سعود نے بار بار اعلان کر دیا ہے کہ اُنھیں امام یحییٰ سے جنگ کرنے کا ہرگز شوق نہیں - وہ اس لڑائی کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور بغیر شدید مجبوری کے اس کی طرف کبھی قدم نہیں اُٹھائیں گے - شدید مجبوری کی خود اُنھوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ امام یحییٰ اُن کی سرحدوں پر علانیہ حملہ کر دیں - میرے خیال میں امام یحییٰ ایسا کبھی نہیں کریں گے - الا یہ کہ اٹلی اُنھیں اس پر مجبور کر دے"

مسٹر فلبی کے اس آخری جملہ کو مصری اخبارات نے بہت اہمیت دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اٹلی تاعرب کے دونوں بادشاہوں کی لڑائی میں بہت نفع ہے - اٹلی خوب جانتا ہے کہ امام یحییٰ ابن سعود کو کامل شکست دینے کی قدرت نہیں رکھتے - اُنکے حملہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابن سعود بھی حملہ آور ہونگے - اُسوقت اٹلی سیاسی میدان میں آکر دیکھا اور سلطان نجد سے مطالبہ کرے گا کہ یمن میں پیش قدمی نہ کریں کیونکہ یمن کے ساتھ اس کا معاہدہ حمایت ہو چکا ہے اس طرح اسے عرب کے معاملات و مسائل میں مداخلت کا پورا موقع مل جائے گا -

جدید انگریزی نجدی معاہدہ کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا :

"ابھی تک معاہدہ طے نہیں پایا ہے - لیکن گفت و شنید جاری ہے - اُمید ہے طرفین جلد ایسی شرطوں پر پہنچ جائیں گے جو دونوں کے لئے باعزت اور مفید ہوں گی"

مسجد پیرس

سلطان مراکش کے وزیر تشریفات (چیمبرلین) قاہرہ آئے ہیں - ان کا نام سید قدور بن غبریط ہے - یہ مراکش کے سربرآوردہ شخص ہیں جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں - اپنے درباری عہدہ کے علاوہ شمالی افریقہ کی محکمۂ اوقاف کے صدر بھی ہیں - پیرس میں جو عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی ہے وہ زیادہ تر انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے - آج کے مصری اخبارات میں ان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا ہے :

"میں مصر اس لئے آیا ہوں کہ یہاں کے مخیر اور فیاض مسلمانوں سے مسجد پیرس کی بعض ملحقہ نامکمل عمارتوں کی تکمیل کے لئے امداد حاصل کروں - یہاں سے میں فلسطین اور شام بھی جاؤں گا - شام میں میری ایک کوشش یہ بھی ہوگی کہ فرانسیسی حکام کو حجاز ریلوے کے دوبارہ اجراء پر آمادہ کروں تاکہ حاجیوں کو سفر میں آسانی ہو"

مسجد پیرس کی تاریخ تعمیر بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا :

"پیرس میں جامع مسجد تعمیر کرنے کا خیال ۵۰ برس سے موجود تھا مگر عمل میں نہ آسکا - پہلے فرانس میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی - لیکن حالات میں جلد جلد تبدیلی ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی - ظاہر ہے اب مسجد کا قیام ضروری تھا چنانچہ سلطان مغرب "بائی ٹیونس" اور امراء الجزائر کی فیاضیوں نے یہ عظیم الشان مسجد عروس البلاد پیرس میں تعمیر کر دی

یہ مسجد ۸ ہزار مربع میٹر کے وسیع رقبہ میں بنائی گئی ہے - اُس کے ساتھ اندلسی وضع کا نہایت دلفریب باغیچہ ہے - صحن میں پانی کا عظیم الشان فوارہ ہے اور اُس کے گرد عربی طرز کے خوبصورت ستون کھڑے کئے گئے ہیں - مسجد کے ساتھ شفاخانہ بھی ہے ہفتہ میں تین دن اُس کے دروازے کھلتے ہیں اور غریب مسلمانوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے - ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے یہ اگرچہ ابتدائی حالت میں ہے، لیکن بتدریج ترقی کر جائے گا - اُس میں وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں گی جو دُنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں - ایک علمی ایوان بھی ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم علماء وادباء جمع ہونگے اور تبادلہ خیالات کریں گے - ساتھ ہی مشرقی طرز کا ایک حمام بھی بنایا گیا ہے جو تمام یورپ میں اپنی وضع کا تنہا حمام ہے - ایک مشرقی ہوٹل بھی کھولا گیا ہے - اس میں مشرقی عربی کھانے معتدل قیمت پر ملتے ہیں - چائے خانہ بھی ہے جہاں جوق جوق فرانسیسی آتے ہیں اور عربی قہوہ پیتے ہیں -

"مسجد کا انتظام شمالی افریقہ کے محکمۂ اوقاف کے ہاتھ میں ہے۔ مسجد کے لئے تین امام اور ایک مفتی مقرر کیا گیا ہے۔ ان چاروں کا فرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی مختلف ضروریات پوری کرنے کی کوشش کریں۔"

مراکشی حاجیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو موصوف نے کہا:

"گزشتہ برسوں میں مراکش اور شمالی افریقہ کے حاجیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کیونکہ حجاز کی حالت ابتر اور بدامنی عام تھی۔ مگر اب جبکہ سلطان ابن سعود نے حجاز میں امن امان قائم کر دیا ہے تو شمالی افریقہ کے مسلمانوں میں حج کا شوق بھی عام ہو گیا ہے۔ اس سال بکثرت حاجی جا رہے ہیں"

جزیرۃ العرب اور مسیحی تبلیغ کا مجنونانہ عزم

مسیحی یورپ، جزیرۃ العرب کی آزادی سلب کرنے پر ہی قانع نہیں ہے بلکہ اب اس کے تبلیغی حلقے کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کے اس گہوارہ کو مسیحیت کا حلقہ بگوش بنا لیا جائے۔ یہ کوشش زیادہ تر برطانیہ کی تبلیغی جماعتوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ مثال وہ اعلان ہے جو حجازی حکام کے ہاتھ فلسطین میں لگا ہے۔ یہ اعلان "انجمن تبلیغ مسیحیت در عالم و جزیرۃ العرب واقع نمبر ۱۹ ہیلنڈ روڈ اپر نوروڈ۔ لندن" کی طرف سے خفیہ عیسائیوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس پر مسٹر آشڈ صدر انجمن اور پادری بارکرے کے دستخط ثبت ہیں۔

مصری اخبارات نے یہ اعلان شائع کر دیا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

یسوع مسیح جزیرۃ العرب کے لئے

"دیکھ میں ایک نئی چیز کروں گا۔ اب وہ نمود ہوگی۔ کیا تم اس کا لحاظ نہ کروگے؟ ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں بناؤں گا۔"

(یسعیاہ باب سوم آیت ۱۹)

"عرب کے لئے نماز پڑھو"

"عرب کا رقبہ ۱۰ لاکھ مربع میل ہے۔ آبادی ۸۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ تک ہے۔ لیکن اب تک وہاں انجیل نہیں پہنچی ہے۔ باشندے بت پرستی کی موت مر رہے ہیں۔ جزیرۃ العرب اسلام کا گہوارہ ہے۔ اسی میں کعبہ ہے جس کی طرف ۲۲ کروڑ مسلمان شیطان کی ترغیب سے منہ کرتے ہیں تاکہ روز جھوٹی اور ریاکارانہ نماز پڑھیں۔ اے مسیحیو! عرب کے لئے نماز پڑھو اور دعائیں کرو تاکہ خدا انھیں نجات دے۔ انھیں شیطان نے دھوکا دیا ہے اور ان کے لئے ایک جھوٹی کتاب بنائی ہے۔ یہ کتاب "قرآن" ہے۔ یہ قرآن، خدا کے زندہ اور نجات دینے والے کلمہ کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ عرب تک انجیل کون پہنچائے گا؟ وہ کون مرد خدا ہے جو اپنے گھر سے نکلے گنہگاروں پر روئے، اچھی کھیتی کرے، اور خوش و خرم اپنی لگائی ہوئی کھیتی کاٹے؟

یسوع مسیح نے یہ حکم دیئے ہیں:

(۱) "اور دیکھو، جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو۔"

(لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)

(۲) اور اُس نے اُن سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو" (مرقس باب ۱۶۔ آیت ۱۵)

(۳) "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور انھیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو اور انھیں یہ تعلیم دو کہ اُن سب باتوں کو مانیں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہر روز تمھارے ساتھ رہوں گا"

(متی باب ۲۸۔ آیت ۱۹ و ۲۰)

"مسیح کے حکم پر عمل ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے"

"یسوع نے پاس آ کر اُن سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا" (متی باب ۲۸، آیت ۱۸)

"لفظ "اور" "دنیا کے آخر تک" کے صاف معنی یہ ہیں کہ مسیح کا حکم ہر زمانہ میں اُن کے شاگردوں کے لئے عام ہے۔ اور ہم بھی اُسکے مخاطب ہیں۔ مسیح سب کی طرف سے فدیہ ہو کر مرا اور مر کر زندہ ہو گیا۔ وہ ہماری طرف سے فدیہ ہوا، میری طرف سے فدیہ ہوا اور عرب کی طرف سے فدیہ ہوا۔ پس جو مسیح کے حکم کا مطیع ہے وہ یہ دعوت لیکر عرب میں جائے۔

"بے شمار حاجی سالانہ عرب کا ریگستان طے کر کے مکہ حج کو جاتے ہیں اسی شہر میں ..... نبی پیدا ہوا تھا (نبی کے ساتھ "کاذب" کا لفظ ہے) مدینہ میں اس کی زیارت کرتے ہیں، اسی میں اُس کی قبر ہے۔ پس مسیح کے حاجیوں میں کون ہے جو ان بے شمار حاجیوں کی ہدایت کے لئے جائے تاکہ وہ ایک اکیلے مسیح کے حاجی بن جائیں؟ اگر ہم عذاب جھیلنے میں مسیح کے شریک ہوئے ہیں تو ہم ملکوت الٰہی میں بھی اُس کے شریک بنیں گے۔ اللہ نے بیٹے سے کہا تیرا تخت ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پس اے مسیح کے حاجیو! چلو۔ آؤ دوڑیں اور بادشاہت لے آئیں!

"وہ برّے سے لڑینگے، اور برّہ اُن پر غالب آئے گا۔ کیونکہ وہ خداوندوں کا خداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جو بلائے ہوئے اور برگزیدہ اور وفادار اُس کے ساتھ ہیں وہ بھی غالب آئیں گے"

(مکاشفہ باب ۱۷۔ آیت ۱۴)

"اور خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے، شیطان کو تمھارے پاؤں سے جلد کچلوا دے گا۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تمھارے شامل حال ہو"

(رومیوں باب ۱۶۔ آیت ۲۰)

"اسرائیل کے بیٹوں سے کہہ کہ آگے بڑھیں۔ ملک عرب کی طرف ۔۔ تمام جہان کی طرف کیونکہ ... کیونکہ بادشاہ کا حکم فوری تھا"

(سموئیل اول باب ۲۱، آیت ۸؟)

"مسیح کے ساتھ میں نے نماز پڑھی۔ میں زندہ نہیں ہوں بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے جسم کے اندر میری زندگی در اصل ایمان کی زندگی ہے خدا کے بیٹے کی زندگی جسنے مجھ سے محبت کی اور میرے لئے اپنی جان دی اور انھوں نے شہر آگ سے جلا دیا!"

(یشوع باب ۶ آیت ۲۴ (؟)

"مشنری اور کار مبلغوں کی شدید ضرورت ہے۔ وہ بے خوف و خطر قبائل عرب میں جائیں اور انھیں انجیل کی دعوت پہنچائیں۔ وہاں مشنری قبیلے ایسے موجود ہیں جنھیں انجیل کی دعوت آسانی سے پہونچائی جا سکتی ہے۔ یہ قبیلے خیموں میں ویسی ہی زندگی بسر کرتے ہیں جیسی "ابراہیم" بسر کرتے تھے۔ ان میں ایک قبیلہ "صلیبی" کہلاتا ہے اور آن قدیم "صلیبی مجاہدوں" کی نسل سے ہے جنھیں عربوں نے قید کر لیا تھا۔ دو مرتبہ آسے زیارت میسر آ چکی ہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ زیارت کا خواہشمند ہے۔ اس قبیلہ کے لوگ ابتک چند انگریزی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً "گو" (یعنی جاؤ) کام کرنے والے کم ہیں۔ کیا ان قبیلوں کو فنا ہو جانے کے لئے چھوڑ دینا روا ہے؟ کیا اللہ کے کنیسہ کو جسے اُسنے اپنے خون سے خریدا ہے، مناسب نہیں ہے کہ اللہ کی دعوت کو لبیک کہے؟ اے شخص! ترا جواب کیا ہے؟ کیا تو ندامت میں گرنا اور ہمیشہ کے لئے حقارت کا مورد بننا چاہتا ہے؟ یا تو اُس عمل کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہے جو اُس ذات کو پسند ہے جسنے ہم سے محبت کی، ہماری طرف سے فدیہ ہوئی، اور اپنے خون بہے ہمارے گناہ دھو ڈالے؟

"کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری بابت اور دوسروں کی بابت ابدالآباد تک، کہا جائے کہ تیرے اور تیرے بھائیوں کے گناہ مسیح کے سب سے زیادہ قیمتی خون سے دھوئے گئے؟ تم نے اُس کے حکم جان لئے۔ ضرورت معلوم کی، خدا کی پکار سنی، مسیح سے قوت و حاجت حاصل کی، مگر اسکے بعد بھی تم نہیں گئے؟

"میری تجھ سے درخواست ہے کہ عرب کے لئے دعا کر۔ خود عرب میں جا۔ دوسروں کو عرب میں بھیج۔ کتاب مقدس عرب میں لیجا۔ کبھی اپنی نماز میں عرب اور عربوں کو نہ بھول۔ عرب اور عربوں کو مسیح کی طرف بلا۔ ۲۲۰ ملین مسلمانوں کو دین مسیح کی طرف دعوت دے۔ مشنری مبلغوں کے لئے دعا کر، کیونکہ عرب میں اُن کی سخت ضرورت ہے۔ دعا کر کہ کتاب مقدس عرب میں پہنچ جائے۔ دعا کر کہ خدا مشنری مبلغوں کو برکت دے۔ مسیح نے کہا ہے "میں بہت جلد آؤں گا" آمین"

اس اعلان کی مجنونانہ و متعصبانہ اسپرٹ دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بیسویں صدی کی ایک صدا و دعوت ہے جو جدید تمدن کے مرکز اعظم لندن کی ایک مشنری سوسائٹی سے بلند کی گئی ہے، لیکن واقعہ یہی ہے، اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگلستان کی مذہبی جماعتیں عرب کی طرف کس نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ یقیناً تاریخ اسلام کے اوراق شریف حسین اور اس کے لڑکوں کو کبھی معاف نہ کریں گے جسنے عرب کا دروازہ یورپ کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

فلسطین کی چٹھی

بحر میت - شرق اردن - حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)

(عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

بحر میت سے نمک

کچھ مدت سے تجویز تھی کہ بحر میت (مردہ سمندر) کے پانی سے نمک (؟) کیا جائے۔ اب مجھے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ تجویز علمی صورت اختیار کرنے والی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم کام والا ہے کہ دو ریلوے لائن قائم کی جائیں گی۔ ایک شہر زرقاء سے شروع ہو کر عمان اور حیفا تک جائے گی۔ دوسری خود مرکز سے متصل کر دے گی۔ ان دونوں لائنوں سے بیشمار فوائد حاصل (؟) نہر سویز سے یہ علاقے بلکہ دور دور کے علاقے بھی بے نیاز ہو (؟) یہی نہیں بلکہ پورے مشرق قریب میں بحر میت کا نمک جرمنی کے مقابلہ کر سکے گا اور فلسطین میں ایک نیا تجارتی مرکز قائم ہو جائے گا۔ انہی اسباب سے یہودی سرمایہ دار ان علاقوں میں زمینیں بکثرت خریدنے لگے ہیں۔ عربوں کو ابھی صورت حال سے پوری واقفیت نہیں، اس لئے زیادہ قیمت کی لالچ میں آ کر اپنی زمینیں فروخت کر رہے ہیں۔

شرق اردن میں نئی بیداری

عربی قوم کے حالات سمجھنے والے اُس صورت حال سے متعجب ہیں جو اچانک شرق اردن میں رونما ہو گئی ہے۔ اب سے پہلے اس خطہ میں کوئی سیاسی حرکت موجود نہ تھی۔ لیکن گزشتہ ہفتہ عرب باشندوں نے برطانوی وصایۃ اور شریف عبد اللہ کی نام نہاد حکومت کے خلاف بہت موثر طریقہ پر آواز بلند کی ہے۔

دار الحکومت عمان میں پہلی مرتبہ سیاسی انجمن قائم ہوئی ہے جس میں تمام سربرآوردہ عرب مشائخ اور روشن خیال نوجوان شریک تھے۔ (؟) نے برطانیہ اور امیر عبد اللہ سے اپنے وعدے پورے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ انجمن کے نمائندوں نے امیر عبد اللہ سے ملاقات کی اور (؟) مجلس یا پارلیمنٹ کے قیام پر زور دیا۔ امیر عبد اللہ نے دو مہینے کی مہلت طلب کی ہے اور وعدہ کیا کہ وہ انگریزی حکومت سے گفت و شنید کرینگے۔

انجمن نے اپنے عام جلسے میں اعلان کر دیا ہے کہ امیر عبد اللہ کی حکومت کو برطانیہ سے براہ راست معاہدہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، اور یہ کہ وہ تمام معاہدے کالعدم ہونگے جو ملک کی باضابطہ منظوری حاصل کئے بغیر کئے جائینگے۔ انجمن نے بلا تأمل یہ اعلان بھی کر دیا ہے "اگر شرق اردن میں ظلم و استبداد کا اسی طرح دور دورہ رہا تو باشندگان فلسطین خطرناک سے خطرناک راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"

برطانی حلقوں کی پریشانی کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ عربی قبائل میں

نجدی تحریک نہایت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ بکثرت قبیلے نجدی مذہب اختیار کرچکے ہیں اور بہت سے اختیار کرنے کی طیاری میں ہیں برطانوی حکام اس دینی تحریک سے خائف ہیں اپنے علاقوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ ابھی چند دن ہوئے برطانی حکام نے دو عرب سرداروں "مثقال باشا الجالی شیخ المشائخ اور مثقال باشا الفائز شیخ قبائل صخر کو طلب کیا تھا اور بڑی آؤ بھگت کی تھی۔ مگر انھوں نے حکومت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیا۔

اس علاقہ کے باشندوں میں یہ تحریک بھی پھیل رہی ہے کہ امیر عبداللہ کی حکومت الٹ دی جائے اور ملک کا تعلق براہ راست برطانوی حکام سے ہو جائے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایک برطانی اقتدار سے نجات حاصل نہیں کرسکتا تو کم از کم برائے نام عربی حکومت کی دوہری مصیبت سے تو نجات حاصل کرلے۔ یقیناً برطانیہ کی براہ راست حکومت اس سے کہیں زیادہ بہتر اور ذمہ دار ہوگی جسقدر اس کے بٹھائے ہوئے پتلے امیر عبداللہ کی ہے۔

(فوجی قانون کا اعلان)

شرق اردن کی مذکورہ بالا بیداری اور دروزی مجاہدین کی آمد و رفت کی وجہ سے امیر عبداللہ نے علاقہ "ازرق" میں فوجی قانون (مارشل لا) کا اعلان کردیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ایک طرف ملک کی عام رائے مرعوب کردی جائے، دوسری طرف فرانس بھی خوش ہو جائے۔ فرانس مدت سے شاکی تھا کہ دروزی مجاہدین اس علاقہ میں پناہ لیتے اور یہاں سے تردتازہ ہو کر واپس آتے ہیں۔

یہودی بیت المال

گزشتہ سال یہودی بیت المال کی آمدنی ۷۷،۰۱۷ پونڈ یعنی ۱۰۵۲۶۵۵ روپے ہوئی۔ امریکہ کے یہودیوں کا عطیہ ۳۲۸۰۲ پونڈ کینیڈا کا ۲۰ ہزار ۵۳۶ پونڈ اور برطانیہ کا ۳۵۰۶۰ پونڈ ہے۔ دنیا کی ترقی خواہ قوموں کی اولوالعزمیاں ایسی ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہماری ہمتوں کا جو حال ہے وہ معلوم ہے!

حضرت یوسف کی قبر

فلسطین کے ایک قدیم شہر "سیخم" میں کھدائی ہو رہی ہے اگر یہ تحقیقات کامیاب ہوئی تو بہت صدیوں کے راز دنیا کے سامنے آجائیں گے۔ اس شہر میں یورپین محققین کی ایک جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تلاش کر رہی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس شہر سے بے شمار اسرائیلی روایات وابستہ ہیں اور ان پر سے جلد پردہ اٹھنے والا ہے۔

بروایت توراۃ سیخم ہی میں حضرت ابراہیم نے محراب بنائی تھی اور شاہ بلوط کے ایک بڑے درخت کو بطور مقدس علامت کے قرار دیا تھا۔ نیز اسی شہر میں حضرت یعقوب نے عامر کی اولاد سے زمین خریدی اور مقدس محراب بنائی۔ نیز سنگلاخ زمین میں ایک کنواں بنایا تھا جو ۸۰ فٹ گہرا اور ۹ فٹ کے قطر میں تھا۔ لیکن شیشام بن عامر جسنے زمین بیچی تھی، یعقوب کی لڑکی "دینا" پر عاشق ہو گیا اور اُسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ عقد سے پہلے ہی اُس کے ساتھ زن وشو کی زندگی بسر کرنے۔ اس پر یعقوب کے لڑکوں کو غصہ آیا اور انھوں نے "سیخامیوں" کو قتل کر ڈالا۔ پھر یعقوب (علیہ السلام) اس علاقے سے چلے گئے۔ مگر جانے سے پہلے انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مخالف قبیلہ کے تمام دیوتا اور عبادت کے آلات ایک غار میں پھینک دیئے جائیں۔

موجودہ کھدائی سے ایک غرض ان دیوتاؤں کی تلاش بھی ہے سیخم میں یعقوب علیہ السلام کا کنواں ابتک موجود ہے۔ روایت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی لاش بھی مصر سے لاکر اسی علاقہ میں دفن کی گئی تھی۔ ایک مقبرہ عرصہ سے حضرت یوسف کی طرف منسوب ہے چونکہ یہ عربی قبائل کے تحت و تصرف میں تھا اس لئے اب تک اسکی تحقیقات نہ ہوسکی۔

لیکن اب ڈاکٹر ارنسٹ سیلین کو، جو اس تحقیقاتی جماعت کے صدر ہیں، قبر کھولنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ حضرت یوسف کی لاش مومیا کی ہوئی صحیح وسالم دستیاب ہو جائے گی۔ نیز قدیم مصری کاغذ پر لکھی ہوئی تحریریں بھی نکلیں گی کیونکہ پہلے مصر میں انکی نعش مصری طریقہ پر دفن کی گئی تھی، وہاں سے کنعان میں لائی گئی۔ اگر یہ اُمیدیں کامیاب ہوئیں تو یقیناً اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ حضرت یوسف کے عہد کا فرعون کون تھا؟

اسی شہر میں ایک ٹیلہ پر کھدائی کرتے ہوئے ایک اور قدیم شہر اور تمدن کے نشان ملے ہیں۔ معمار آثار کا خیال ہے کہ یہ عمارت مشہور اسرائیلی بادشاہ "عزبوم اول" کا قلعہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے اسی ٹیلہ میں حضرت یعقوب کی قوم کے دیوتا اور دوسری یادگاریں بھی مدفون ہیں۔

سیخم، فلسطین کا ایک نہایت ہی قدیم شہر ہے۔ اس کی تاریخ کا آغاز اُس وقت سے ہوا ہے جب نئے نئے عبرانی، کنعان کی سرزمین پر نمودار ہوئے تھے۔ خوش قسمتی سے اب تک اس شہر کے بہت سے آثار دستیاب ہو چکے ہیں۔ اُس کی شہر پناہ اور ایک بہت ہی عظیم الشان پھاٹک نکل آئے ہیں۔ نیز ایک محل کی بنیادیں بھی ملی ہیں جو نو ستونوں پر قائم تھا اور اُس کے بڑے بڑے کمرے بھی مل گئے ہیں۔

غرضکہ یہ تحقیقات دنیا کے علم میں معقول اضافہ کردے گی اور اسرائیلی تاریخ کے وہ پہلو روشنی میں آجائیں گے جو اب تک تاریکی میں ہیں۔

(پارٹیوں کا اتحاد)

سیاسی جماعتوں کے اختلاف کی وبا فلسطین میں بھی انگریزی قبضہ کے ساتھ پہنچی اور قومی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ مصلحین مدت سے کوشش کررہے ہیں کہ سیاسی پارٹیوں میں اتحاد قائم ہوجائے مگر آجتک کوئی صورت نہ نکل سکی۔ اب کچھ مدت کی خاموشی کے بعد پھر اس قسم کی کوششیں شروع ہوئی ہیں، بظاہر کامیابی کی امید نہیں۔ کیونکہ اکثر لیڈر اپنی ذاتی اغراض کے بندے ہیں۔

ارتھوڈکس مسیحی

کل ارتھوڈکس مسیحیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی، عیسائیوں میں یہ فرقہ یہاں سب سے زیادہ مظلوم ہے۔ کیونکہ کوئی طاقت در سلطنت اُس کی پشت پناہی پر موجود نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اب یہ فرقہ بھی اپنے حقوق کے لئے عملی کوشش شروع کرنے والا ہے۔

شریف علی

مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ شریف علی سابق شاہ حجاز بہت جلد یہاں آنے والے ہیں۔ آمد کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ محض تبدیل آب وہوا مقصود ہے۔ لیکن بعض حلقوں میں یقین کیا جاتا ہے کہ انھیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ فلسطین کے مسلمانوں میں برطانیہ کے موافق جذبات کو ترقی دیں۔ فلسطین میں شریف حسین اور اُن کے خاندان کا پروپیگنڈا سالہا سال سے جاری ہے۔ عوام کی ایک جماعت اُس سے متأثر ہو چکی ہے۔ برطانیہ کا ایک زمانہ میں خیال تھا کہ اگر اس ملک نے براہ راست برطانی حکومت منظور نہیں کی تو یہاں بھی شریف حسین کا کوئی لڑکا بٹھا دیا جائے گا، مگر بعد کے حالات نے یہ خیال پورا نہ ہونے دیا۔

شرفاء مکہ کے اس خاندان کی بدبختی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ برطانیہ کے ہاتھوں ایسا روز بد دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اُس کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ عراق میں امیر فیصل عبودیت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ شرق اردن میں امیر عبداللہ غلام بنا ہوا ہے، اور اب امیر علی فلسطین کو گمراہ کرنے آرہے ہیں!

تذکرہ

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے زمانۂ نظربندی کی یادگار تصنیف تاریخ وادب کے علاوہ حقائق دین اور معارف تجدید ودعوت کے اہم مباحث کا مجموعہ۔ آخر میں اپنے سوانح وخواطر حیات پر بے نظیر تحریر اب درجۂ اول کا کوئی نسخہ باقی نہیں رہا۔

درجۂ دوم قیمت ۲؎، درجۂ سوم ۴؎
منیجر البلاغ پریس۔ ۱۱۔ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

اخبار نویس کی ڈاک

حال میں ایک نہایت دلچسپ کتاب اس نام سے فرانس میں شائع ہوئی ہے۔ اسمیں فن اخبار نویسی کے تیس فرانسیسی ائمہ نے اپنی اپنی صحافتی زندگی کا سب سے زیادہ دلچسپ اور یادگار واقعہ لکھا ہے۔ کتاب از حد مقبول ہوئی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں اُس کے نسخے نکل چکے ہیں۔ کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمے شائع ہوگئے ہیں ناظرین کی دلچسپی وآگاہی کے لئے ہم اُس کا ترجمہ بالاقساط درج کرینگے۔ آج اُس کا پہلا مضمون ملاحظہ ہو۔ یہ مشہور اخبار نویس مسیو کلیان دوڈیل نے حسب ذیل سرخی سے لکھا ہے:

اخبار نویس اور مجنوں

مجھ سے دماغی امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا:

"میں اپنے مریض سے پہلا سوال یہ کرتا ہوں "کیا تم اخبار نویسوں سے خط وکتابت رکھتے ہو؟ اگر وہ اقرار کرتا ہے تو سمجھ لیتا ہوں اسکے علاج میں کافی وقت لگے گا"

"یہ کیونکر؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار نویسوں سے خط کتابت کرنے والے سب لوگ مجنوں ہوتے ہیں" اُسنے جواب دیا "لیکن مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے اکثر ضرور پاگل ہوتے ہیں!"

مدت کے بعد مجھے ڈاکٹر کی سچائی پر ایمان لانا پڑا۔ میرا تجربہ بھی یہی ہے کہ پراگندہ دماغ اور پاگل ہی زیادہ تر اخبار نویسوں سے خط وکتابت کرتے ہیں۔ اس مصیبت کو میرے ہم پیشہ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

روز ڈاک میں میرے پاس ہزاروں خطوط پہنچتے ہیں۔ لکھنے والے ان کی تزئین وآرائش میں غیر معمولی محنت کرتے ہیں، قسم قسم کی روشنائی استعمال کی جاتی ہے۔ کوئی عبارت سرخ ہے، کوئی نیلی، کوئی سبز کہیں پر بڑے بڑے حروف، کہیں پر حروف کے گرد پھول پتیاں بنی ہوئیں۔ بسا اوقات عبارت کا آغاز سنجیدگی سے ہوتا ہے مگر چند سطروں کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی مجنوں کا خط ہے!

مثلاً ایک واقعہ سنئے۔ پیرس کے باشندوں کو شکایت پیدا ہوئی کہ موٹروں کی کثرت نے راستہ چلنا مشکل کردیا ہے۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر ہوا۔ اب کیا تھا؟ ہزاروں خط روزانہ ہمارے پاس آنا شروع ہوگئے۔ ہر خط میں اس مشکل کا ایک نیا حل موجود ہوتا تھا۔ کیسا حل؟ ایسا حل کہ اگر میں بیان کروں تو شاید آپ یقین نہ کریں۔ ایک صاحب نے لکھا "اس مشکل کا بہترین حل یہ ہے کہ دریائے سین اسفلٹ سے پاٹ دی جائے اور شہر کی سڑکوں کے بجائے اُسی پر موٹر چلیں!"

اور سنئے امن وامان کے حامیوں نے یہ تجویز لکھ بھیجی "تمام یورپ ایک جمہوریت کے ماتحت ہو جائے!" یہی نہیں بلکہ از راہ عنایت اس "افلاطونی جمہوریت" کا دستور العمل بھی مرتب کرکے بھیجدیا۔!

ایک "ماہر اقتصادیات" نے لکھا "حکومت، پارے کے بنک نوٹ تیار کرے تاکہ اقتصادی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اُن کا رنگ وزن، اور نرخ بھی خود بخود تبدیل ہوتا رہے"

یہ عاقلانہ تجویزیں، مذاق سے پیش نہیں کی جاتیں۔ اُنکے سوچنے

والے پُوری سنجیدگی [illegible] لکھتے ہیں اور اُن کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے فوٹو بھی بھیجدیتے ہیں۔ صرف فوٹو ہی نہیں بلکہ اپنی آمدنی کا تخمینہ [illegible] کی رسیدیں بھی روانہ کر دیتے ہیں تاکہ اخبار نویس اُنھیں معمولی آدمی خیال نہ کرے۔

اخبارات کے بعض مباحث خاص طور پر اِن مجنونوں کا جنون خط نویسی اُبھار دیتے ہیں۔ مثلاً روحانیات، نباتیات، نسائیات وغیرہ۔ اِن مباحث پر اخبار میں ایک مضمون بھی ہماری بدبختی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہر طرف سے مجنونوں کے خط آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ جنون مردوں سے کہیں زیادہ عورتوں میں ہے۔ ویسے بھی عورتوں کی ایک جنسی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں لکھنے کے لئے کسی مناسبت اور ربط مقصد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُنکے ہر خط میں ایک نئے موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر مجنوں خاتون اپنے رازوں کے لئے کسی ایک اخبار نویس کو "صندوق" بنا دینا ضروری تصور کرتی ہے۔ بدقسمتی سے مجھے بھی ایک خاتون نے ایک مرتبہ اس عزت کا مستحق سمجھا۔ مسلسل تین سال تک ہر روز ایک خط پہنچ جاتا۔ اِن خطوط میں اُس کی مفصل سوانحعمری ہوتی تھی۔ خانہ داری کے جھگڑے، شوہر کے معاملات، محبت کے اثرات، بیوفائی کے شکوے، غرضکہ کوئی بات نہ تھی جو اِن خطوں میں تفصیل سے موجود نہ ہو۔ میں نے کبھی کسی خط کی رسید نہیں بھیجی۔ مگر محترم خانم کو رسید کی چنداں پرواہ نہ تھی اُسے صرف خط لکھنے سے کام تھا۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

لیکن یہ سلسلہ ایک مرتبہ اچانک ٹوٹ گیا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کہ محترم خاتون اب اپنے جنون سے شفا پا گئی۔ اور مجھے بھی نجات مل گئی!

عورتوں کا سب سے سخت جنون، مذہبی جنون ہوتا ہے۔ جب یہ کسی "خوش نصیب" اخبار نویس سے خوش ہو جاتی ہیں تو اپنے خطوط کے ساتھ گنڈے تعویذ بھی بھیجا کرتی ہیں، اور بڑی بڑی قسمیں دلاکر مرسل الیہ کو مجبور کرتی ہیں کہ یہ تعویذ ضرور استعمال کرے۔ لیکن جب اخبار نویس سے وہ ناراض ہوئیں تو بس اُس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ وہ کون گالی ہے جو اُسے دی نہیں جاتی؟ اتنی بددعائیں اور لعنتیں آتی ہیں کہ غریب اخبار نویس کتنا ہی مستقل مزاج ہو ضرور کانپ اُٹھتا ہے!

بلاشبہ ہم مجنونوں کے خط پڑھنے پر مجبور نہیں ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بہت سے مجنوں خط کتابت ہی کافی نہیں سمجھتے بذات خود بھی ملاقات کو تشریف لے آتے ہیں اور یہ مصیبت بالکل لاعلاج ہے!

ایک دن دفتر میں چپراسی نے ایک ملاقاتی کارڈ میرے حوالہ کیا۔ "مسیو بگونڈل" نیچے کی سطر میں یہ لفظ تھے "ایک اہم شخصی معاملہ" میں نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ پہلی نظر میں خیال ہوا اچھا خاصہ سنجیدہ باوقار آدمی ہے۔

"جناب! میں آپکی کوئی خدمت بجا لا سکتا ہوں؟" خاموش ملاقاتی سے میں نے سوال کیا۔

"آپ اُس معاملہ سے واقف ہیں جس کے لئے میں حاضر ہوا ہوں" اُسنے سنگین آواز میں جواب دیا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ انکار کرنا پڑتا ہے" میں نے عاجزی سے کہا۔

"تجاہل عارفانہ نہ برتئے۔ آپ خوب جانتے ہیں" حضرت کا جواب تھا۔

"جناب، آج پہلی مرتبہ مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے"۔

"لیکن آپ اپنے مضامین میں روز میرا ذکر کرتے ہیں!"

"عجیب! یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں اسم گرامی سے واقف ہوا ہوں"

"ریاکاری چھوڑ دیجئے۔ بیوقوف نہ بنائیے.... میں روز اپنے مضامین میں اپنا ذکر پڑھتا ہوں" اچانک اُس کی صورت بدل گئی۔ غصہ سے کانپنے لگا "تم میرے خاندان کے راز جانتے ہو۔ اپنے گندہ مضامین میں یہ راز لکھکر مجھے روز رسوا کرتے ہو.... آہ! لیکن خیر اب اس کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ اپنے آپ کو اور دنیا کو تمھاری شرارتوں سے نجات دیدوں..." آپ میری حیرانی کا اندازہ کر سکتے ہیں جب میں نے اس عجیب سلسلہ کلام کے خاتمہ پر اچانک سنا "میں قتل کر ڈالوں گا"

فوراً جیب سے بھرا ہوا پستول نکالا.... "خدایا کیا کروں؟" میں نے خیال کیا "اب میرا کام تمام ہوا.... عنقریب میرے دوست میرا جنازہ اُٹھانے آئیں گے.... لیکن خود اس پاگل کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ عدالت جنون کے عذر پر اسے رہا کر دے گی.... میں نے ارادہ کیا اس عجیب ملاقاتی پر ٹوٹ پڑوں اور پستول چھین لوں لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ میری ایڈیٹری کا بڑا میز ہمارے مابین حائل تھا۔ افسوس اخبار نویسی کا منحوس میز! میں نے اپنے حواس بجا کئے:

"سگریٹ پیجئے" میں نے مصنوعی بے خوفی سے کہا اور فوراً کوٹ کی جیب سے سگریٹ کی خوشنما ڈبیا نکالکر پیش کر دی۔ خلاف توقع سگریٹ نے اُس کا غصہ بالکل فرو کر دیا۔ وہ خاموش بیٹھکر دھواں اُڑانے لگا۔

"واقعی میں خطاوار ہوں۔ مگر براہ عنایت مجھے وہ مضمون بتائیے جس میں آپ کو رسوا کرنے کی میں نے جرأت کی ہے" میں نے ڈرتے ڈرتے بڑی لجاجت سے کہا۔

مجنوں نے جیب سے ایک پُلندا نکالا اور میرے سامنے پھینک دیا میں نے غور سے تمام مضمون دیکھے۔ اُن میں کوئی ایک بھی شخصی معاملات پر نہ تھا۔ کسی میں مکانوں کی گرانی پر بحث تھی۔ کسی میں بازار کے نرخ پر کسی میں علمی نمائش پر، اور کسی میں عورتوں کے کترے ہوئے بالوں اور اونچے لباس پر گفتگو تھی۔ اسی طرح عام معاشرتی معاملات سے سب کا تعلق تھا۔ میں نے حیرت سے مجنوں کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ میرا تعجب سمجھ گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ اخبار اُٹھا کر جا بجا سے پڑھنا اور ہر ہر فقرے پر مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ آخر میں اُسنے عورتوں کے کترے ہوئے بالوں پر مضمون پڑھنا شروع کیا اور جوش سے چلایا۔

"یہ دیکھو۔ اب بھی انکار کرو گے؟ کیسے بند بند لفظوں میں میرے خاندان کا مضحکہ اُڑایا ہے؟ اس فقرے کے کیا معنی ہیں" جو عورت اپنے بال کٹواتی ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور گنجی ہو جائے گی" یہ میرے چچا ڈاکٹر بگونڈل پر کھلی چوٹ ہے! غلط کہتا ہوں؟ میرا چچا گنجا ہے۔ ایک دن وہ میڈم... پر خفا ہوئے۔ لیکن میں تفصیل کیوں بیان کروں؟ تمھیں سب معلوم ہے۔ میرے چچا کو بھی جانتے ہو۔ اس میڈم کو بھی اور اُس کی خفگی کے سبب کو بھی۔ تمھیں سب راز معلوم ہے۔ تم ہمیں بدنام کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔ تم کمینہ ہو!"

خوش قسمتی سے اس سخت لفظ نے اُس کا غصہ پھر کم کر دیا۔ میں نے گھنٹی بجائی۔ نوکر کے آنے پر مجھے اطمینان ہوا۔ مجنوں نے ایک پُراز حقارت نظر مجھ پر ڈالی اور کہا۔

"جناب! اس مرتبہ معاف کرتا ہوں۔ آئندہ احتیاط رہے۔ مجھے اور میرے خاندان کو نہ چھیڑیے ورنہ کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل ڈالونگا۔"

وہ بغیر سلام کئے چلا گیا۔ میں نے بھی شائستگی کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور میں خیال کرتا ہوں اس ضرورت کے عدم احساس پر کوئی صاحب مجھے ملامت کرنا پسند نہ کرینگے۔

اشتہار

(امام ابن تیمیہ کے تازہ ترین رسالے)

شیخ الاسلام کے حسب ذیل رسالوں کا ترجمہ مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کے قلم سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ قابل دید رسالے ہیں:

(۱) مجذوب: شریعت میں مجذوب کا کیا حکم ہے؟ وہ ولی اللہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ قیمت ۴؍ (۲) حسین و یزید: تاریخ اسلام کی یہ سب سے زیادہ پیچیدہ گتھی سلجھا کر رکھدی ہے۔ قیمت ۵؍ (۳) صداقت رسول: پوری سیرت نبوی اسطرح سمیٹ کر جمع کر دی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے قیمت ۴؍ (۴) مناظرۂ ابن تیمیہ: صوفیوں سے پادشاہ کے سامنے عظیم الشان مباحثہ ہوا تھا خود شیخ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے قیمت ۵؍ منیجر ہند بک ایجنسی، پوسٹ بکس نمبر ۷۵۰۲، بالیگنج، کلکتہ

عالم مطبوعات و صحائف

نہایۃ الارب اور مسالک الابصار

علمار تاریخ نے ہر زبان کی ادبیات کی طرح عربی علم ادب کے بھی تین دور قرار دیے ہیں۔ پہلا دور تحریر و تدوین کا ہے۔ دوسرا تکمیل و تنقیح کا۔ تیسرا توسیع و تہذیب کا۔ اس آخری دور نے تصنیف و تالیف کی صناعۃ میں جو نئی نئی وسعتیں پیدا کیں، اُن میں ایک خاص قسم اُن کتابوں کی ہے جنھیں متاخرین "موسوعات" اور "مجامیع" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "موسوعات" سے مقصود ایسی کتابیں ہیں جو کسی ایک موضوع پر نہیں لکھی جاتی تھیں بلکہ متعدد علوم و فنون کا مجموعہ ہوتی تھیں۔ بعض علمار نے اس کا دائرہ یہاں تک وسیع کیا کہ تمام علوم و فنون اور ان کی چھوٹی بڑی شاخیں اسمیں آگئیں۔ اس قسم کی "موسوعات" بیس سے لیکر ۵۰۰ جلد تک کی لکھی گئیں!

دراصل یہ موسوعات ایک طرح کی انسائیکلوپیڈیا تھیں، اُس عہد کے علمار موسوعات کا تاریخ علوم میں وہی درجہ ہے جو یورپ کی سترہویں صدی کے انسائیکلوپیڈین علمار کا موجودہ تاریخ علوم میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ موسوعات کی ترتیب علوم کی ترتیب تھی جو ایک خاص حد تک پھیلکر ختم ہو جاتی ہے مگر انسائیکلوپیڈیا کے لئے لغت و قوامیس کی ترتیب اختیار کی گئی جس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس عہد کی کتب موسوعات میں دو کتابوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی تھی شہاب الدین احمد نویری کی نہایۃ الارب اور ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار۔ پہلی کتاب تیس سے زیادہ جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور دوسری کم و بیش بیس جلدوں میں ہے۔

اِن دونوں کتابوں کے مکمل نسخے عزیز الوجود تھے۔ پچھلے دنوں مصر کے مشہور محقق کتب احمد زکی پاشا نے عرصہ کی محنت و کاوش کے بعد انکے دو صحیح و کامل نسخے مرتب کئے انکا بڑا حصہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے بذریعہ عکس حاصل کیا گیا تھا۔ چار سال ہوئے حکومت مصر نے اِن دونوں کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ کیا اور کتب خانۂ خدیویہ کے "احیار کتب عربیہ" کے سلسلہ میں ان کی طباعت شروع ہو گئی۔ گذشتہ سال دونوں کتابوں کی تین تین جلدیں چھپ گئی تھیں اب دو دو جلدیں مزید چھپکر شائع ہو گئی ہیں اور ہمارے سامنے ہیں۔

اگرچہ یہ عہد متاخرین کی تصنیف ہیں اور جو کچھ ہے جمع و تالیف ہے تاہم چونکہ اب وہ ذخیرہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں جو اِن کتابوں کے عہد تالیف میں موجود تھا، اس لئے اِن دونوں کتابوں سے تاریخ و علوم کے مختلف اہم مسائل پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ ہم عنقریب اِن دونوں نئی جلدوں کے بعض مفید مطالب ہدیۂ قارئین کرینگے۔

مذہب اور دنیائے جدید

حال میں پروفیسر وائیٹہڈ کی ایک تصنیف:

"Religion in the Making"

کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ دراصل اُن کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے گذشتہ سال بوسٹن یونیورسٹی میں کی تھیں۔ جو حضرات انگریزی کی جدید الطبع مصنفات پر نظر رکھتے ہیں، انھوں نے پروفیسر موصوف کی وہ کتاب ضرور دیکھی ہوگی جو پچھلے دنوں "علم اور دنیائے جدید" کے نام سے شائع ہوئی تھی، وہ بھی اُن کی بعض تقریروں کا

مجموعہ تھی۔ یہ دونوں کتابیں ایک مکمل منظریۂ علم و مذہب کی مُشتمل ہیں۔ پہلی کتاب میں علم کے مستقبل پر نظر ڈالی ہے۔ اور اس میں اُسی اصول نظر کے ماتحت مذہب کے مستقبل پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ۴ باب ہیں (۱) مذہب کی تاریخ (۲) مذہب اور عقائد (۳) جسم اور روح (۴) تبصرہ۔

ان ابواب میں سب سے زیادہ اہم باب "جسم اور روح" کے سلسلہ پر ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"ہم اس مادی دنیا کے باہر ، ماسوا ان ظاہری اجزا کے علاوہ جو اس کی وضع و ترتیب میں شامل ہیں کوئی واقفیت نہیں رکھتے یہ اجزاء کیا کیا ہیں؟ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہے:

(۱) خاقیت (Creativity) جو ہر وجود کے وقتی ارتقا میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) خیالی موجودات و اشکال کا عالم جو خود تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا مگر حقیقت رکھنے والی چیز میں ایک خاص مناسبت کے ساتھ متشکل ہوجاتا ہے۔

(۳) وہ حقیقی مگر غیر مادی قوت جس کا تصور کرتے ہوئے ہم ایک ایسی معین قوت کا تصور کرنے لگتے ہیں جس کے کاموں میں قصد اور ارادہ کو دخل ہونا چاہئے"

پروفیسر موصوف کے خیال میں "یہی غیر مادی اور حقیقی ہستی وہ ہے جسے انسان خدا کہتا ہے۔ وہی خدا جو ہر ذی عقل مذہب کا خدائے بزرگ و برتر ہے"

مذہب کے حقائق کی طلب و جستجو کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی مقام یہ ہے کہ یہ سفر کس نقطہ سے شروع کیا جائے؟ جن جن قدموں نے ٹھوکر کھائی ہے صرف اس لئے کھائی ہے کہ قدم اُٹھا دئے مگر اس کا فیصلہ نہیں کیا کہ کس رُخ سے قدم اُٹھانا چاہئے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جس قدر بڑھتے گئے، منزل مقصود سے دوری بھی بڑھتی گئی!

اسی لئے قرآن حکیم نے اس بارے میں عقل انسانی کی رہنمائی کی۔ وہ بتلاتا ہے کہ خدا کی ہستی اور اس کے اعمال و صفات کی جستجو دائرہ ہستی سے الگ ہو کر نہیں بلکہ خود اُس کے اندر سے کرنی چاہئے اور اس سفر کی صحیح جہت یہ ہے کہ کائنات کے حسن و جمال اور نظم و اتقان کے مطالعہ و تفکر کے نقطہ سے قدم اُٹھائے جائیں۔

مذہب و عقل کے سلسلہ میں پروفیسر موصوف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ انھوں نے کتب سماویہ کی یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی۔

مشہور حکیم کانٹ کا مذہب یہ تھا کہ خدا کی ہستی کا تصور دنیا کے نظام اخلاقی کی ایک ضرورت ہے مگر پروفیسر موصوف اس سے متفق نہیں ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "کائنات ہستی سے ہمہ گیر حسن و جمال کے مطالعہ ہی سے ہم عالم ایجاد کا عقدۂ تخلیق حل کر سکتے ہیں۔ کانٹ کا نظام اخلاقی کیا ہے؟ وہ بھی اسی نظام جمال کا ایک منظر ہے"

پروفیسر موصوف نے صفات الٰہی کے موضوع پر بھی نظر ڈالی ہے اور ان کی نظر اُسی پہلو پر گئی ہے جو متکلمین اسلام میں معتزلہ نے اختیار کیا تھا۔ معتزلہ کی نظر تنزیہہ کی طرف گئی تھی اور اشاعرہ کی نظر قدرت کی طرف۔ اس لئے معتزلہ خدا کی طرف کسی عبارت سے بھی شر کی نسبت گوارا نہیں کرتے، لیکن اشاعرہ کہتے ہیں کہ اس کی قدرت و خلقت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں، البتہ اس کے تمام احکام و اعمال حکمت و عدالت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسی طرح مسیحی علم کلام میں "نفی شر" کا مسئلہ سینٹ آگسٹائن کی طرف منسوب ہے۔

پروفیسر موصوف کہتے ہیں:

"خدا کی اچھائی ہی خدا کی حد ہے۔ خدا کی ابدی ہستی اسی حال میں کامل کہی جا سکتی ہے جب شر کے منافی ہو"

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خدا کی قدرت اور اس کے اعمال صرف خیر ہی میں محدود ہیں تو یہ قدرت کا نقص ہے، وہ کہتے ہیں کہ

"اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے البتہ ہم حق، حسن اور خیر کا ایک ہمہ گیر نظام محسوس کر رہے ہیں۔ یہ خود ہم میں بھی موجود ہے اور اس کا مبدء خدا کی کامل ہستی ہے، جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اذعان ہو جاتا ہے کہ اس ابدی و ازلی مبدء میں شر کی گنجائش نہیں"

دراصل پروفیسر موصوف نے اس منزل پر پہونچکر سخت غلطی کی اور اسی لئے سوال اور جواب، دونوں حقیقت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ موقعہ بحث و تشریح کا نہیں، قارئین الہلال باب التفسیر کے مباحث کا انتظار کریں۔

الہلال کی قدیم جلدیں

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں جو دفتر مہیا کر سکا ہے حسب ذیل قیمت پر بھیجی جا سکتی ہیں:

الہلال جلد سوم
" جلد چہارم — قیمت فی جلد ۸۔ روپیہ
" جلد پنجم

البلاغ (یعنے الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) ۵۔ روپیہ

متفرق پرچے

فی پرچہ ۸ر قیمت پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

منیجر الہلال

اشتہار — اشتہار

بیت المقدس میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگ

اور تمام یورپین حکومتوں۔ کے صلیبی جہاد کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے شجاعانہ کارنامے حیات صلاح الدین میں دیکھئے جس میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی معرکہ آرائیوں کے تفصیلی حالات کے علاوہ اُس جنگ کی کیفیت بھی درج ہے جس میں انگریزوں کے بادشاہ "رچرڈ شیر دل" کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اٹھا کر بھاگنا پڑا اور جس میں اس قدر خون ریزی ہوئی کہ میدان جنگ میں خون گھوڑوں کے سینہ تک بھر گیا تھا، ولایتی سرورق اور سلطان صلاح الدین کا فوٹو قابل دید ہے قیمت دو روپیہ

سیرۃ الصدیق:۔ اس میں مولنا حبیب الرحمن صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن نے مورخانہ انداز اور نہایت موثر پیرایہ میں خلیفۂ اوّل کے حالات لکھے ہیں، جن لوگوں نے مولنا شبلی مرحوم کی الفاروق کو دیکھا ہے اسکو ضرور پڑھیں، کاغذ چکنا ولایتی، رنگین سرورق قیمت عہ (ایک روپیہ)

علمائے سلف:۔ اس میں علمائے سلف کی زندگی کے ہر پہلو پر نظر ڈالی گئی ہے اور انکے کمال، اخلاق اور تحصیل علم کے لئے اُن کی محنتوں کا ذکر ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپکو معلوم ہوگا کہ علمائے کسقدر آزادی سے اپنا فرض ادا کیا ہے، کاغذ چکنا ولایتی، رنگین سرورق، قیمت عہ (ایک روپیہ) **رادھا رانی**:۔ معصوم معشوقہ کی پُراسرار زندگی ۸ر

الصالحات:۔ ۶۷ صحابی خواتین کے مذہبی و معاشرتی زندگی کے سبق آموز حالات، بچوں، بچیوں اور عورتوں کے لئے یہ کتاب بہت ضروری ہے کیونکہ اس کتاب کے مطالعہ سے صحابیات کی پاکیزہ زندگی اور صحیح عمل کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ جلی قلم، سرورق ولایتی رنگین، قیمت ۱۲ر

سیرۃ الغازی مصطفے کمال پاشا:۔ غازی مصطفے کمال پاشا کی مستند سوانح عمری جو ٹرکی و مصر وغیرہ سے مستند مواد فراہم کر کے تیار کی گئی ہے۔ اس میں غازی ممدوح کا فوٹو، چکنا ولایتی کاغذ اور رنگین سرورق لگایا گیا ہے قیمت عہ، جنگ یونان و ترکی قیمت بارہ آنے (۱۲ر) **سفر نامہ انگورہ** قیمت ایک روپیہ (عہ)

مجاہدین ریف کے کارنامے:۔ یعنی تاریخ ریف جس میں مراکش و ریف کی مکمل تاریخ کے علاوہ ہسپانیہ و فرانس کے مقابلہ میں مجاہدین کے حیرت خیز کارنامے بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، قیمت چودہ آنے (۱۴ر) **قتل زار روس**، قیمت ۴ر **جنگ دردانیال** قیمت دو آنہ۔ **پاربتی**، بنگالی لڑکی کے سفارت شیرین متانہ جذبات ۸ر

غازی جمال پاشا کی یادداشتیں:۔ ان یادداشتوں میں عرب کی بغاوت، مصر کے جنگی معرکوں کی تفصیل، دردانیال کی جنگوں کے حالات اور انور پاشا کے فوجی و جنگی کارنامے نہایت خوبی سے لکھے گئے ہیں اور یورپ کی اُن سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اُسنے ٹرکی کے خلاف کی تھیں قیمت ۲ روپے آٹھ آنے

شہید ترک کا جنگی روزنامچہ:۔ اس کتاب کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ خالدہ ادیب خانم وزیر تعلیم انگورہ اپنے قلم کے زور سے قسطنطنیہ کے کسی گوشہ میں اعلان جہاد سنا رہی ہیں، قیمت عہ **ترک ہوا باز**:۔ جنگ اناطولیہ میں سلطان عبدالحمید مرحوم کے صاحبزادے شہزادہ عبدالرحیم کے کارنامے، یونانیوں پر ترکی ہوا بازی کی نمایاں فتح

جہاز ترکی و مسٹر پکتھال (انگریز نو مسلم) ایڈیٹر روزنامہ بمبئی کرانیکل کے معرکۃ الآرا ناول کا ترجمہ جسکو پڑھ کر ترکوں کے حیرت انگیز کارنامے اور دلچسپ تماشا آپکو اپنی آنکھوں کے سامنے معلوم ہونگے، قیمت عہ **کلیات جعفر زٹل**:۔ میر جعفر زٹل مشہور ہزل گو شاعر کے کلام کا مجموعہ قیمت عہ **ہالیاں کی زبان**: قیمت ...

آزادی اسلام:۔ از مولنا ابو الکلام صاحب آزاد، قیمت ۴ر **لیڈران اسلام**:۔ علی برادران، مولنا حسرت، مولنا ابو الکلام آزاد، اور ڈاکٹر فضل الحق کی تقریریں ۱ر **جہنم کی آبادی**، قیمت ۸ر **افسانۂ قیس**:۔ مجنون و لیلی کے حالات اور عاشقانہ جذبات قیمت ۴ر **حور یہ**:۔ ایک ترکی جاسوسہ کے کارنامے جسنے بڑے بڑے یونانی فوجی افسروں کو اپنا متوالا بنا کر، اُن کی آنکھوں میں خاک ڈالکر اپنی خدمات انجام دی تھیں، قیمت ۸ر **آریوں پر اسلامی بم** اگر آپ دیکھنا چاہیں تو غازی محمود دھرمپال کی تصانیف، کفر توڑ، سر توڑ، آواگون توڑ، بت شکن، رشیلزم اور اسلام (وہ تقریر جو غازی موصوف نے آریہ دھرم ترک کرتے ہوئے فرمائی تھی) قیمت اصلی ۸ر رعایتی ۶ر **خیر آر** قیمت تین پیسہ **ویدک ایشور کی حقیقت**:۔ آریوں کے ہزاروں دیوتاؤں کے حالات قیمت ۲ر **تحفۃ الہند** معہ کتھا سلونی۔ ہندوؤں کے عقائد پر بحث از مولوی عبید اللہ صاحب سابق اننت رام قیمت ۱۲ر **ترکوں کی کہانیاں**: قیمت ۲ر **انگورہ میں ہندوستانی جاسوس** ۲ر

تصانیف علامہ شبلی مرحوم:۔ **الفاروق**:۔ معہ نقشہ دنیائے اسلام، ۳۰۰ صفحات، خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی جنگی و انتظامی تدابیر، فتوحات اسلامی کا سیلاب مسلمانوں کی عظمت و شوکت، دلیری، شجاعت اور صاحب دولت و حکومت ہونے کے اسباب، قیمت ۳ر

المامون:۔ خلیفہ مامون رشید کے حالات زندگی، قیمت عہ **الہارون**:۔ خلیفہ ہارون رشید کی سوانح عمری قیمت ۱ر **اورنگ زیب پر ایک نظر** شہنشاہ عالمگیر کے متعلق انگریز مورخوں کی شرارتیں اور غلطیاں اور شہنشاہ مرحوم کے صحیح حالات قیمت ۸ر **رسائل شبلی**۔ محققانہ علمی، تاریخی، اسلامی مضامین قیمت ۱ر **مقالات شبلی**:۔ مولنا شبلی کے بے بہا مضامین کا مجموعہ قیمت عہ **مجموعہ نظم شبلی**، قیمت ۸ر **سیرۃ النعمان**:۔ امام ابو حنیفہ کی علمی و فقیہانہ زندگی، آپکے اجتہاد و ذہن و حافظہ وغیرہ وغیرہ قیمت عہ **سفر نامہ روم**:۔ مصر و شام، بیروت، قسطنطنیہ، قاہرہ وغیرہ ممالک اسلامیہ کے حالات، ترکوں، عربوں، کے اخلاق، سلطان سے ملاقات۔ قیمت عہ **سوانح مولنا روم**:۔ آپکی پاکیزہ صوفیانہ زندگی کا تذکرہ قیمت عہ۔ **الغزالی**:۔ امام ابو محمد احمد غزالی کے سوانح قیمت عہ **واجد علیشاہ کا نگارخانہ**۔ یعنی ممتاز محل، جسیم احمد علیشاہ بادشاہ کے واقعات ۱ر

ملنے کا پتہ:۔ **منیجر نجات بک ایجنسی بجنور** (یوپی)

اطلاع ضروری

افسوس ہے کہ الہلال کی اشاعت کی ابتدائی مشکلات یکے
بعد دیگرے پیش آتی رہیں - اور تاریخ اشاعت تک ان کا سلسلہ
جاری رہا - یہ پہلا نمبر جسکی تاریخ اشاعت ۱۰ - جون تھی،
متعدد رکاوٹوں کی وجہ سے آج ۱۴ - جون کو ڈاک میں ڈالا جا رہا
ہے - اب آیندہ جمعہ تک صرف تین دن باقی رہگئے ہیں،
ممکن نہیں ہے کہ نمبر ۲ وقت پر نکل سکے - اسلیے مجبوراً آیندہ
جمعہ ناغہ کرکے ' اسکے بعد کے جمعہ سے اشاعت شروع کی جائیگی۔
بجائے اسکے کہ آیندہ ایک دن کی بھی تاخیر پیش آئے ' بہتر ہے
کہ ابتدا میں ایک مرتبہ چند دنوں کی تاخیر گوارا کرلی جائے۔

مدیر

Printed and Published by
MASUD-HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 14, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

آبِ حیات

ہر قسم اقسام کی انسانی وحیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس سے کئی متعلق
بیس (۲۰) سال میں تیس (۳۰) ہزار سرٹیفکیٹ وصول ہو چکے ہیں
قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عہ) نمونہ کی شیشی ۸ / ر

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھانے والی گولیاں۔ قیمت فی شیشی چار (۴) روپیہ

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دُور کرنے اور خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی ہے
قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲/)

مفصل فہرست ادویہ مفت

مینجر کارخانہ آبِ حیات پنڈی بہاؤ الدین (پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,
PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

ہندوستان کا بہترین قومی اور ادبی ہفتہ وار اخبار

استقلال ہند (دہلی)

ایڈیٹر ــــ گیجن سنگھ

(دنیائے صحافت کا یہ روشن ستارہ ۲ جون سنہ ۱۹۲۷ کو طلوع ہوگا)
آپ کو استقلال ہند کیوں ضرور مطالعہ کرنا چاہئے؟ اس لئے کہ

(۱) استقلال ہند ہندوستانیوں کو پیام اتحاد سنائیگا
(۲) استقلال ہند غلامی کی زنجیروں کو توڑیگا
(۳) استقلال ہند غریبوں کو سرمایہ داروں کے دام تزویر سے رہائی دلائیگا
(۴) استقلال ہند ہندوستانی ریاستوں کو غیر ملکی اقتدار سے بچائیگا۔
(۵) استقلال ہند میں بلند پایہ سیاسی و ادبی مضامین شایع ہونگے
(۶) استقلال ہند سے بہتر افسانے آپ کو دیگر اخبارات میں نہ مل سکینگے
(۷) استقلال ہند میں ہر ہفتہ غیر ملکی وقایع نگاروں کے مضامین شایع ہونگے
(۸) استقلال ہند میں ظریفانہ مضامین کا خاص اہتمام ہوگا۔
(۹) استقلال ہند میں واقعات حاضرہ کے متعلق پر لطف کارٹون شایع ہوا کریں گے۔
(۱۰) استقلال ہند نامور شعراء ملک کا تازہ ترین کلام پیش کریگا۔
(۱۱) استقلال ہند کے دائرہ ادارت میں اکثر محب وطن انشاء پرداز منسلک ہیں
(۱۲) استقلال ہند بہترین کاغذ پر دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع ہوگا۔

ان تمام محاسن کے باوجود قیمت فی پرچہ صرف ایک آنہ
قیمت سالانہ چار روپے ــــ ششماہی دو روپے آٹھ آنے
آج ہی نمونہ کے لئے خط لکھئے

☜ منیجر استقلال ہند ــــ چاندنی چوک ۔ دہلی ☞

اِسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن۔ حدیث۔ تصوف۔ فقہ۔ عقاید۔ تاریخ اور علوم جدید پر بہترین اور تازہ کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست منگائیں۔ سرمایہ دار اگر مذہبی کتابوں کی تجارت پر روپیہ لگاکر فایدہ اٹھانا چاہیں تو قواعد منگاکر بالاحظہ فرماویں۔ پتہ یہ ہے:

مینیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

The SUFI PRINTING and PUBLISHING Co. Ltd.
PINDI BAHA-UD-DIN. (PUNJAB)

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح)

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا ہے۔ آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے۔ زبان ایسی شستہ اور صاف ہے جسکو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھ سکے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ زمین حنائی چھپی ہوئی پختہ ہے۔ ہدیہ مجلد چرمی منقش نقرئی پندرہ روپئے جلد اعلیٰ منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں۔ نمونہ مفت۔

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم اڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے۔ آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار' اردو جرائد میں کثیر الاشاعت سیاست حاضرہ کا مبصر حق و صداقت کا مشتہر' عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ' دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا' ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کر دیگا۔ نمونہ مفت۔ قیمت سالانہ ۶ روپیہ۔ ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ۔

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچیوں کا اتالیق' طالب علموں کا اُستاد' علم و فن کا خزینہ' معلومات کی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ' ہفتہ وار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے۔ زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے قیمت سالانہ ۴ روپیہ۔

(محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ و غنچہ ۔ بجنور)